ہماری ویب ڈیجیٹل بک

سردار ایوب

SARDAR AYUB

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Sardar Ayub"
at Hamariweb.com

اسلام آباد اور دھماکے۔۔۔۔

شہر اسلام آباد پاکستان کا دارالحکومت ہے۔ 9 200 میں کی گئی مردُم شماری کے مطابق اس شہر کی آبادی 673, 766 تھی۔اس شہر کو 1964 میں پاکستان کے دارالحکومت کا درجہ دیا گیا۔اس سے پہلے کراچی کو یہ درجہ حاصل تھا۔اسلام آباد کا شمار دُنیا کے چند خوبصورت ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ سیکورٹی کے لحاظ سے بھی اسلام آباد، پاکستان کا سب سے محفوظ شہر مانا جاتا ہے۔2008 سے پہلے اسلام آباد میں دہشت گردی کا کوئی واقع پیش نہیں آیا تھا۔لیکن کس کو خبر تھی کہ اس خوبصورت شہر کو بھی کسی کی نظر لگ جائے گی۔آخر وہی ہوا جو کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا۔20 ستمبر2008 کی شام کو پہلی بار اسلام آباد میں قیامت کا منظر اُس وقت دیکھنے کو ملا جب میرٹ ہوٹل آگ بگولہ بن گیا اور لوگ کھڑکیوں میں سے چھلانگیں لگانے پر مجبور ہوگئے۔ میرٹ ہوٹل وفاقی دارالحکومت کے حساس ترین ریڈ سیکورٹی زون میں پارلیمینٹ ہاوس سے صرف ایک کلومیٹر کے فاصلے اور وزیر اعظم ہاوس کے قریب واقع ہے۔اس دھماکہ میں 60 سے زائد افراد ہلاک جبکہ 300 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے تھے اور پورا ہوٹل آگ کے لپیٹ میں آنے کی وجہ سے تباہ ہوا تھا۔

تقریبا ایک سال بعد اسلام آباد کے باشندے اُس دھماکہ کو بھولنے ہی والے تھے کہ دہشت گردوں نے ایک بار پھر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کو نشانہ بنا دیا۔

اکتوبر 9 200 ، سوا تین بجے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے نیو 20 کیمپس میں 2 خودکش حملے ہوئے۔جس کے نتیجہ میں 2 طلبات سمیت 5 افراد جاں بحق جبکہ 40 افراد زخمی ہوگئے تھے۔

اس دھماکہ کے تقریبا ایک سال اور آٹھ مہینے ہوگئے تھے کہ اسلام آباد میں ایک بار پھر خوف وہراس اس وقت پھیلنے لگا جب دارالحکومت کے پوش سیکٹر آئی ایٹ کے تجارتی مرکز میں نجی بینک پر خودکش دھماکہ ہوا۔اس دھماکہ میں بنک کا سیکورٹی گارڈ شہید ہوا تھا جبکہ 6 افراد شدید زخمی ہوئے تھے اور بنک کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا تھا۔

مارچ، 2014 کو ایک بار پھر صبح ہوتے ہی قیامت کا منظر اُس وقت دیکھنے کو ملا جب 03 اسلام آباد کے سیکٹر ایف ایٹ میں واقع کچہری میں فائرنگ اور 2 خودکش دھماکوں کی اواز نے لوگوں میں خوف وہراس پیدا کر دیا۔ 15 سے 20 منٹ تک فائرنگ کے بعد 2 خودکش دھماکے ہوئے جس میں سیشن جج اور 4 وکلاء سمیت

افراد شہید جبکہ 25 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اتنی 11 حساس علاقے میں جہاں سیکورٹی کی سخت انتظامات کی گئی ہو، کوئی کلاشنکوپ کیسے لا سکتا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ پندرہ سے بیس منٹ تک فائرنگ ہوتی ہے اور پھر بھی سیکورٹی گارڈز اور پولیس خودکش بمبار کو مارنے میں ناکام رہے ہیں۔۔

یہ تھی اسلام آباد میں دھماکوں کی داستان۔۔۔اب دیکھنا یہ ہے کہ پولیس کیا کرتے ہیں اور سیاستدان کیا کہتے ہیں۔۔

اسلام آباد ڈسٹرکٹ بار کے صدر نصیر کیانی نے بتایا کہ چند روز قبل ضلعی پولیس اور انتظامیہ کے حکام کی سیشن جج اسلام آباد سے میٹنگ ہونا تھی تاکہ عدالتوں اور مقامی کچہری کے سیکورٹی انتظامات کو حتمی شکل دی جاسکے، تاہم پولیس حکام نے اس اجلاس میں شرکت کے بجائے وزیر داخلہ کا میچ دیکھنے کو ترجیح دی۔

پولیس بھی اپنا کام بخوبی انجام دیں رہے ہیں اور ہر مرتبہ مقدمہ نامعلوم افراد کے خلاف درج کرتے ہیں۔ صدر اور وزیر اعظم صاحب بھی افسوس کا اظہار کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور وزیر داخلہ چودھری نثار صاحب تو کچھ اور کہتے ہیں۔اس

کا ماننا ہے کہ دہشت گردوں کے ضلع کچہری حملے کے دوران جج رفاقت اعوان کے گارڈ سے بد حواسی میں گولیاں چل گئیں جسکی وجہ سے وہ جاں بحق ہوگئے۔کیا نا معلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کرنا کافی ہے؟کیا افسوس کا اظہار کرنے سے دھماکے کم ہو سکتے ہیں ؟

2008 کے بعد اسلام آباد میں دھماکے بڑھ رہے ہیں اور کسی کے پاس بھی اس کو روکھنے کیلیے وقت نہیں ہیں۔ اگر ان کو روکا نہ گیا تو لوگ ایسے کٹتے مرینگے، ذلیل ہوتے رہینگے اور اگر یہی حال رہی تو شاہد مستقبل قریب میں اسلام آباد میں کراچی جیسا صورتحال پیدا ہوگا جس کا حل کسی کے پاس نہ ہوگا۔۔۔۔۔۔

پرچم ستارہ وہلال

ویسے تو ہمیں روز فیس بک پر بہت کچھ دیکھنے اور سیکھنے کو ملتا ہیں لیکن کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر انسان نظر انداز کرنا بھی چاہے تو بھی نہیں کر سکتے۔کچھ پوسٹس ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک ہی نظر میں دل کو چھو جائے اور انسان اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جایے۔آج مجھے فیس بک پر کچھ اسی طرح کی پوسٹ پڑھنے کو ملی۔ پڑھتے ہی میرے ذہن میں سو سوالوں نے جنم لیا اور سوچتے ہی دل گھبرانے لگا کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے میرے پیارے مُلک پاکستان کے پرچم کے ساتھ۔۔۔۔پوسٹ میں ایک پاکستانی بچہ، پتہ نہیں کس دن کا ذکر کر رہا تھا جسے پڑھتے پڑھتے میں خود شرم محسوس کرنے لگا اور تھوڑی مایوسی بھی ہوئی۔ پوسٹ کچھ اس طرح تھا ....آج کا دن ہم پاکستانیوں کے لیے اہم تھا۔ میں پاکستان کا جھنڈا لیکر گھر سے نکلا لیکن جوں جوں میں بڑھتا گیا، میرا جھنڈا نیچا اور نیچا ہوتا گیا کیونکہ کسی کے پاس میرے پاکستان کا جھنڈا نہیں تھا۔ سب کے پاس اپنے اپنے جھنڈے تھے لیکن کسی کو بھی ذرا بھر افسوس نہیں تھا۔ سب بُہت خوش تھے اور میں شرمندہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؛

پھر میں نے پوسٹ سے نظریں ہٹائی اور پاکستان کے پرچم کے بارے میں سوچنے لگا۔

پاکستان کا قومی پرچم پاکستان کے آزاد ہونے سے تین دن پہلے یعنی 11 اگست 1947 کو آئین ساز اسمبلی میں اپنایا گیا جسے امیر الدین کدوائی نے ڈیزائن کیا تھا۔ پاکستان کا قومی پرچم دو رنگوں سے سجایا گیا ہے۔ سبز اور سفید۔ سبز رنگ اسلام اور مسلمانوں کی اکثریت کی نمائیندگی کرتا ہے جبکہ سُفید پٹی مذہبی اقلیتوں اور اقلیتی مذاہب کی نمائیندگی کرتا ہے۔ جھنڈے کے مرکز میں ہلال اور ستارہ بالترتیب ترقی اور روشنی کی علامت ہے۔ پاکستان کا قومی پرچم پاکستان کی اسلام سے وابستگی اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی علامت ہے۔ پاکستان کا قومی پرچم اپنے مُلک کے ماضی، حال و مستقبل کی ترجمانی کرتا ہے۔ پاکستان کے قومی پرچم کو باقی جھنڈوں (پاکستان کے ساری پارٹیوں کے جھنڈوں) پر فوقیت حاصل ہے۔ مگر یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کیونکہ ہم سب اپنی اپنی پارٹیوں میں ضم اور تقسیم ہو چکے ہیں۔ ہم عوام نے تو پہلے ہی سے اپنے مُلک کو سندھودیش، پختونستان، جاگ پنجابی جاگ اور عظیم بلوچستان کے نعروں سے تقسیم کر دیا ہے اور پاکستان کا لفظ اپنی ڈکشنری سے مٹا دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اپنی مقدس پرچم کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ ہم سب نے صرف اپنے اپنے پارٹیوں کے جھنڈے اپنے دل میں رکھے ہوئے ہیں اور کسی کو بھی اپنے قومی پرچم کا کچھ پاس نہیں۔۔۔ انفرادیت کے جھنڈے (سوچ) ہمیں کہاں سے کہاں تک لے جا سکتے ہیں، کسی نے سوچا اور نہ ہی کسی کو اس بارے میں سوچنے کا موقع ملا ہے۔ ہمیں انفرادیت کے جھنڈے کسی حد تک ایک طرف رکھنی چاہیے اور

اجتماعیت کا جھنڈا بُلند رکھنا چاہیے تاکہ سب ملکر اس کی حفاظت کر سکیں اور یک زُباں ہو
کر اس نعرہ کو بُلند کر سکیں۔۔۔۔

اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں، ہم ایک ہیں۔۔۔۔۔

دہشت گردی، شرمندگی یا بیداری

بعض اوقات انسان کو فلموں سے وہ کچھ دیکھنے اور سیکھنے کو ملتا ہیں جو کسی کاغذ کے لکھائی سے زیادہ متاثر کُن ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں فلم دیکھنا ایک بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ فلمیں نوجوانوں پر بہت جلد اپنا اثر چھوڑ جاتی ہیں۔ لیکن اگر فلم معاشرے کے عکاسی پر مبنی ہو تو انسان کو اپنے اندر کے انسان کو جگا بھی سکتا ہے۔ کچھ فلمیں ایسی ہوتی ہے جن سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم کس دُنیا میں ہیں اور دوسرے لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ میں یہاں شعیب منصور کے تحریر کردہ فلم " خُدا کے لیے " کا مثال دیتا ہوں۔ شعیب منصور نے اس فلم کے ذریعے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو دیا ہے مگر سب سے واضع بات جو اُس نے عیاں کی ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ ابھی تک 11/9 کے واقعہ کا غُصہ مسلمانوں پر نکال رہا ہے جو کہ ابھی تک یہ ثابت بھی نہیں ہوا کہ اُس میں مسلمان مُلوث تھے۔ اس ایک واقعہ کی وجہ سے مسلمانوں کو بدنام کرنا اُن کا مشغلہ بن چُکا ہے۔ اس ایک واقعہ کی وجہ سے مسلمانوں پر دہشت گردی کا لیبل لگا رہے ہیں۔ مغربی میڈیا اس واقعہ کا ذکر اس لیے بار بار کر رہی ہیں کہ وہ اپنے بچوں اور نوجوانوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کر دیں۔ 11/9

کے واقعہ کو اس لیے بھی بار بار دُھرایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو دُنیا کے سامنے دہشتگرد ثابت کر سکیں اور وہ کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ مغربی میڈیا پر کبھی یہ دیکھنے کو نہیں ملا کہ امریکہ دنیا کے مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کیساتھ کیسا سلوک کرتے آ رہے ہیں۔ اگر مسلمان دہشت گرد ہیں تو ہیروشیما اور ناگاساکی کو کس نے تباہ کیا تھا؟ اُس میں ایک لاکھ پینتیس ہزار جانوں کا ذمہ دار کون ہے؟ افغانستان اور عراق پر کس نے حملہ کیا اور وہاں کے لوگوں کو جانوروں کی طرح ذبح کرنے والے کون ہیں؟ بوسنیا اور چیچنیا میں دہشت کون پھیلا رہے ہیں اور اُن کا جینا کس نے حرام کر دیا ہیں؟ ڈاکٹر عافیہ ڈصدیقی کو کس نے اغوا کیا تھا اور اُسے قیدی نمبر 650 کس نے بنایا؟ جنوبی وزیرستان پر روز ڈرون حملے کون کرتا ہیں اور اُن حملوں میں بے گناہ مرنے والوں کے قاتلوں کو کیا کہا جاتا ہیں؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ اگر ایک واقعہ (11/9) نہ کرنے پر بھی مسلمان دہشتگرد ہوئے تو اوپر جو میں نے بیان کیا ہے اُنہیں کیا کہا جاتا ہیں؟؟؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک پُر امن دین ہے اور کسی کو بھی دہشتگردی کی اجازت نہیں دیتا۔

ان سب باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو ہمارا ضمیر مر چُکا ہے اور یا ہم اپنے لئے دہشتگرد لفظ سُننا پسند کرتے ہیں۔

اگر افغانی اور کشمیری بھائیوں، بہنوں اور ماؤں کے کچھ مدد اور ہمدردی کرنا دہشت گردی ہے تو ہاں، ہم دہشت گرد ہیں۔اگر فلسطین، عراق اور بوسنیا کے مسلمانوں کے لئے آواز اٹھانا دہشت گردی ہے تو ہاں، ہم دہشت گرد ہیں۔اگر اپنی دین اور ملک کی حفاظت کرنا اور اُس کے لیے جان دینا دہشت گردی ہے تو ہاں، ہم دہشت گرد ہیں اور ہمیشہ رہینگے۔۔۔۔۔۔۔۔

اب ایک پاکستانی کی حیثیت سے کچھ کام ایسے ہیں جو ہمارے اختیار میں ہیں اور اگر ہم دل سے چاہے تو ہم بہت کچھ کراور بدل سکتے ہیں۔ایک یہ کہ ہم ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو انصاف دلا سکتے ہیں اور اُسے واپس اپنے مُلک لا سکتے ہیں دوسرا یہ کہ ڈرون حملے بھی رُکوا سکتے ہیں۔لیکن ہم نے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں اور دوسروں (سیاسی لوگوں) سے اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔یہ بات ہم کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر اُن لوگوں نے کچھ کرنا تھا تو پہلے کر دیتے۔کوئی ہے، تو وہ ہم خود ہیں۔اگر ہم آج بھی خواب خرگوش سے بیدار نہ ہوئے تو ہم یونہی دہشتگرد قرار ہوتے رہینگے۔عافیہ صدیقی جیسے اور بہنیں بھی کھونا پڑینگیے اور ڈرون حملوں کا دائرہ وسیع تر ہوتا جائے گا اور ایک دن ایسا آئے گا کہ پورے مُلک میں ڈرون حملوں کا راج ہوگا۔پھر شاید ہمیں سمجھ آئے گی کہ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے اور پھر اُس وقت ہمارے پاس افسوس اور شرم کے سوا کچھ نہ ہوگا۔اب فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ ہمیں افسوس اور شرمندگی

پسند ہے یا وقت پہ بیداری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سوچ اور اعمال میں تضاد

ہم پاکستانی ایک ذہین اور قابل قوم ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے اُوپر قابل اور ذہین لوگ (سیاستدان، اُستاد، اور ڈاکٹر وغیرہ) لانا نہیں چاہتے۔ نیکی کے کاموں کے دعوے تو سب کرتے ہیں، مگر جب اُن دعوؤں کے سچ ہونے کا وقت آتا ہے تو سب اپنے پاؤں چار کرکے بھاگ جاتے ہیں۔ آخر ہم ایسا کیوں کرتے ہیں۔؟ شاید اس سوال کا جواب ہم سب کے پاس ہوگا۔ لیکن ہم نے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ اور اپنے آپ کو دھوکہ میں رکھ کر انجان بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہم نیک اور ایماندار سیاستدان چاہتے ہیں، مگر اُسے ووٹ دینے کی غلطی نہیں کرتے۔ صاف شفاف الیکشن تو چاہتے ہیں مگر اپنی پارٹی کی دھاندلی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ہر قسم امتحان، نقل سے پاک ہو جائے تاکہ قابل اور ذہین لوگ اچھے اچھے محکموں میں پہنچ کر اپنے ملک اور قوم کے خوشنودی اور کامیابی کے لئے کچھ کر سکیں لیکن پھر بھی امتحانی ہالوں میں سخت نگرانِ کار سے اختلاف رکھتے ہیں۔ جب امتحان میں کوئی نگران نقل کی اجازت نہیں دیتے اور اپنا فرض خوش اسلوبی اور ایمانداری سے نبھاتا ہے تو ہم

کہتے ہیں کہ باقی سب اچھے ہیں مگر وہ فلاح ، لمبا قد والا یا داڑھی وغیرہ والا (جو نقل کے اجازت نہیں دیتا) اچھا نہیں ہے۔

اس وقت ہمارا حال کچھ یوں ہوتا ہے۔

مرد ہونی چاہئے ، خاتون ہونا چاہئے

اب گرائمر کی یہی قانون ہونا چاہئے۔

آپ کسی دفتر کی حالات دیکھیں جب کوئی شخص سفارش منظور کر لیتے ہیں تو ہم اُس کے تعریفیں اور اُن کیلئے تحائف وغیرہ لاتے ہیں اور جو لوگ سفارش کے مخالف اور میرٹ کی اُصولوں کے پابند ہوتے ہیں تو دِل ہی دِل میں اُن سے نفرت اور اپنے دوستوں سے اُن کے خلاف قسم قسم کی فضول باتیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسی طرح ایک پولیس کی مثال لیجئے جب ہم کوئی غلط کام کرتے ہیں اور وہ ہمیں پکڑتے ہیں تو ہم اُن کے ہاتھوں میں کچھ روپے پیسہ تھما دیتے ہیں اگر وہ رشوت لیتا ہے تو منہ سے بے اختیار دس بار " شکریہ " خود بخود نکل جاتا ہے۔اگر وہ رشوت نہیں لیتا تو ہم اُسے بے ایمان اور کام چور کہتے ہیں ۔

ہم سب انقلاب اور جو غلطیاں میں نے اُوپر بیان کیا ہے، ختم کرنے کے باتیں کرتے ہیں لیکن جب ہم اُن کاموں کو فروغ دیں رہے ہے تو پھر اُن کاموں کے مخالفت اور اُسے ختم کرنے کی باتیں کیوں ۔۔۔۔۔۔۔۔؟حقیقت یہ ہے کہ ہم انقلاب

لانا نہیں چاہتے کیونکہ ہم اُن غلط کاموں کے عادی بن گئے ہیں اور دوسروں کو ٹھیک ہونے کا موقع نہیں دیتے۔

یہ حال ہے ہم پاکستانی عوام اور اعلیٰ سوچ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں ساری عوام کے بات نہیں کر رہا ہوں ، صرف اُن لوگوں کے بات کر رہا ہوں جن کے سوچ اور اعمالوں میں تضاد ہو۔ اگر ہم سب اپنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر سوچے تو یقینا ہم اپنے اندار بہت سی غلطیاں اور برائیاں پا سکتے ہیں۔ ہم اپنی غلطیوں کو سدُارنے کے کوشش نہیں کرتے اور نہ ہی سدُارنا چاہتے ہیں۔ صرف دوسروں پر تنقید کرتے ہیں جو دنیا کے سب سے آسان کاموں میں سے ایک ہے۔

کیا ہم سچ میں صاف شفاف الیکشن چاہتے ہیں ؟ کیا ہم چاہتے ہیں کہ دفتروں سے سفارش ختم ہو جائے ؟ کیا ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے امتحانی ہالوں کا نگران کار اچھا اور ایماندار ہو؟ کیا ہم سچ میں رشورت کے مخالفت اور اُسے ختم کرنا چاہتے ہیں ؟ کیا انقلاب لانے میں کوئی دلچسپی رکھتا ہے؟

یقینا ہم یہی سب کچھ چاہتے ہیں لیکن اس کے لئے ہم عملی طور پر کیا کر رہے ہیں ؟ یہ ساری باتیں ہم دوسروں کے لئے عملی طور پر پسند بھی کرتے ہیں اور نافذ بھی کرنا چاہتے ہیں مگر جب بات اپنے نفس پر آ جاتی ہے تو پھر معاشرے

کا ہر فرد اس کو توڑنے میں پہل کرنا اپنا حق اور فرض سمجھتا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے سوچ اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ہے۔ انفرادیت کی یہ سوچ ہمیں ان تمام باتوں کے لئے مجبور کرتی ہے کہ ہم اپنے مفادات کو معاشرے کے تمام اصولوں سے بالاطاق رکھتے ہیں اور جب بات دوسروں پر آ جاتی ہے تو ہم قانون اور اصولی کی بات کرتے ہیں جب تک ہماری انفرادیت ہماری اجتماعی سوچ پر حاوی ہے ہم یہ سب کچھ چاہنے کے با وجود حاصل نہیں کر سکتے اور نہ اپنے معاشرے کی خامیوں کو صاف کر سکتے ہیں۔

اور ہم عوام اور کیا کیا نہیں سوچتے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور کرتے کچھ اور ہیں۔

عوام کو وزیر اعظم صاحب سے اُمیدیں

" مشرف کی سیکورٹی کو مزید سخت کر دیا گیا" یہ پڑھ کر مجھے ہنسی آئی، سوچتے ہی قلم اُٹھانے پر مجبور ہوا اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور یاد آیا۔ سفر شام کے دوران ایک خیمے کے پاس سے گُزر ہوا تو عمر فاروقؓ وہاں رُکے تو ایک بڑھیا نظر آئی۔ آپؓ پاس گئے اور اُس کی خیرت دریافت کی تو وہ بولی، میرا اور عمرؓ کا فیصلہ تو روز محشر میں ہوگا، میرا ہاتھ ہوگا اور عمرؓ کا گریبان ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ یہ سُن کر بلک بلک کر رو پڑے اور بولے، اتنی دور کا اخوال بھلا عمر کو کیسے معلوم ہو؟ بوڑھیا بولی اگر رعایا کا حال معلوم نہیں تو ہمارا خلیفہ کیوں بنا ہوا ہے۔ آپؓ نے اُس کی مدد کی اور انتہائی رنج والم میں آگے بڑھے۔ اُن کے مُلازم اسلم کا بیان ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ عمرؓ کا اسی غم میں انتقال ہو جائے گا۔

بات ہو رہی تھی مُشرف کی۔۔۔ مُشرف 12 اکتوبر 1999ء کو مُلک میں فوجی قانون نافذ کر کے وزیر اعظم نواز شریف کو جبراً معزول کر دیا۔ پھر 20 جون 2001 کو ایک صدارتی استصواب رائے کے ذریعے صدارت کا عُہدہ اختیار کیا۔ سیکورٹی کی لحاظ سے مُشرف کو باقی سارے سیاستدانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ پہلے تو زمین پر

پاؤں نہیں رکھتے مگر جہاں ہیلی کاپٹر کی ضرورت نہ تھی وہاں کے لوگوں کو ٹریفک میں ایسا اُلجھاتا تھا کہ سارا دن اپنی جگہ سے ہلنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اُس کے ساتھ اپنا قافلہ اور ایک جیسی گاڑیاں ہوتی کہ کسی کو پتہ تک نہیں چلتا تھا کہ مُشرف صاحب کس گاڑی میں بیٹھا ہے۔ 18 اگست 2008ء کو جب اُن کا دور حتم ہوا تو لوگوں میں عجیب سی خوشی تھی کہ شاہد اب پاکستان کا تقدیر بدل جائے گا مگر پاکستان کے قسمت میں تبدیلی لفظ کا کہی دوردور تک نام ونشان نہ تھا۔ 6 ستمبر 2008ء کو پاکستان کا قسمت تبدیل کرنے کے لئے جناب آصف علی زرداری نے صدارت کا عہدہ لیا۔ یہ ایک ایسا فیصلہ تھا کہ کسی کے گُمان میں بھی نہ تھا۔ لوگوں نے سُکون کا سانس لینا چاہا اور مُشرف صاحب کے دور کو بھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سیکورٹی کے لحاظ سے صدر زرداری صاحب، مُشرف صاحب سے کچھ زیادہ مُختلف نہ تھا۔ اُسے بھی مُلک کو بچانے کے لئے اپنی سیکوٹی اتنی سخت کر دی تھی کہ جہاں بھی وہ جاتے تھے وہاں پرندہ پر تک نہیں مار سکتی۔ اگر یہ لوگ اتنی سیکورٹی میں گھومتے ہیں تو عوام کا مُحافظ کیسے بن سکتے ہیں؟؟؟ اُن کے دور میں جتنے بھی وزیراعظم صاحبان آئے اُن کی سیکورٹی کی داستان بھی اُن سے مُختلف نہ تھی۔ 8 ستمبر 2013ء کو پہلی بار پاکستان کی تاریخ میں حکومت کی مُدت ختم ہونے پر زرداری صاحب کو صدارت کی کُرسی خالی کرنا پڑی اور ایک بار پھر عوام نے خوشی کا اظہار کیا اور اُن کی جگہ ممنون حسین کو صدارت کی کُرسی ملی جو کہ ابھی تک سکرین سے باہر ہے۔

پہلے سے منتخب ہونے والا ہمارا نیا وزیراعظم صاحب کی سیکورٹی میں کافی حد تک کمی آئی ہے لیکن پھر بھی جو اُمیدیں اس بار پاکستانی عوام نے اُن سے وابسطہ رکھی ہے اس پر اب بھی شاید پورا نہیں اُترتا۔ انہیں یہ بات سمجھنا چاہئے کہ اگر سیکورٹی کی ضرورت اُن لوگوں کو پڑے تو عوام کا خیال کون رکھے گا۔ اگر ایک ملک کا وزیراعظم، صدر یا دوسرے وزراء اپنی خیال رکھنے میں اس طرح ڈوب جائے تو عوام کی چیخ کون سنے گا۔ عوام ووٹ اس لئے دیتے ہیں کہ مُلک کا قسمت تبدیل ہو جائے نہ کہ مُلک بچانے کی بجائے اپنی سیکورٹی کا خیال رکھا جائے۔ وزیراعظم صاحب سے عوام بُہت سی اُمیدیں لگائی بھیٹے ہیں۔ عوام چاہتے ہیں کہ جو غلطیاں پہلے حکومتوں میں ہوئی ہیں اُسے دُھرانا نہ جائے بلکہ اُن غلطیوں سے سبق سیکھ کر مُلک کو کامیابی کیطرف بڑھایا جائے۔ جو وعدے وزیراعظم صاحب نے کی ہیں اُنہیں عملی شکل دیا جائے تاکہ عوام کو اُن کے ووٹ کی صحیح استعمال کا بدلہ مل جائے۔ اور اگر وزیراعظم صاحب ایسا نہیں کرتے تو شاید اُن کا نام بھی دوسری سیاستدانوں (جنہوں نے اپنے دور حکومت میں عوام کی بھلائی کے لئے کچھ نہ کی ہو) کی طرح لیا جائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب وزیراعظم صاحب کس حکمت عملی سے مُلک اور عوام کی قسمت کو جگمگاتے ہیں اور ہمیں ایک نیا پاکستان، جہاں امن، روزگار اور تعلیم ہو، دیتا ہے۔۔۔

قرارداد پاکستان

آیئے عزم وہمت کے اُس دن کو ہم پھر یاد کریں
اپنے ذہنوں کو انگریزی کلچر سے آزاد کریں
اپنا دیس ہے اپنی منزل، اپنا دیس ہے اپنی شان
تیس مارچ اُنیس سو چالیس، عزم وہمت کی پہچان

غلام احمد پرویز صاحب بیسویں صدی میں قران پاک کے ایک ممتاز اسلامی سکالر تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے قائد اعظم کے پرچم کے تلے تحریک پاکستان کے سلسلے میں ایک گوشے میں بھیٹے ہوئے کام کیا۔ میرا اور جناح کا باہمی رابطہ قران کریم تھا۔ کوئی سکیم ہو، کوئی پروجیکٹ ہو، کوئی منصوبہ ہو یا کوئی کام ہو، اُس کے قد،اول کو ارادہ اور عزم کہتے ہیں۔اسطرح قرارداد پاکستان، پاکستان بننے کا پہلا قدم تھا۔ 23 مارچ 1940 کو ہماری قوم نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم ایک آزاد مملکت لے کے رہینگے۔ ہمیں اسلام کے مطابق حکومت قائم ہوگی۔ قوم کا یہ عزم قوم کے قائد کے عزم کا درحقیقت آئینہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک پاکستان کا باقاعدہ آغاز 23 مارچ 1940 کو قرار دیا لیکن اس کی ابتداء وہاں سے ہوئی تھی جب مسلمانان ہند نے کانگرس سے

اپنی راہیں جُدا کر لی تھی۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے 1930 میں الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے اکیسویں اجلاس میں ایک جُداگانہ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا تھا۔ پھر 1933 میں چودھری رحمت علی نے اقبال کی تصور کو پاکستان کا نام دیا۔

مارچ 1940 کو منٹو پارک میں آل انڈیا مُسلم لیگ کے تین روزہ اجلاس کے 23 اختتام پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس کو قرارداد پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرارداد پاکستان کا اصل مسودہ اس زمانے کے پنجاب کے یونینسٹ وزیراعلی سر سکندر خیات خان نے تیار کیا تھا۔ یونینسٹ پارٹی اُس زمانے میں مُسلم لیگ میں ضم ہو گئی تھی اور سر سکندر خیات خان پنجاب مُسلیم لیگ کے صدر تھے۔

یہ وہ تحریک تھی جس کی بنا ہمیں پاکستان مل گیا۔ یہ وہ تحریک تھی جس کا نتیجہ 14 اگست 1947 کو ملا۔ 23 مارچ ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ پاکستان بننا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پاکستان کو آزاد کرنے کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی مال وجان کی قُربانیاں دی تھی۔ ہمیں اپنی مُلک کی استحکام اور خوشحالی کے لیے متحد ہو کر جہد وجہد کرنا ہوگی اور اس کی دفاع کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہوگا۔

پاکستان ایک عظیم ملک ہے اور ہماری پہچان ہے۔ ہمیں اپنی ملک سے محبت کرنی چاہیے کیونکہ یہی ہماری عزت کا ٹھکانہ ہے۔آج کل پاکستان کو بُہت چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ہمیں ایک ہو کر اپنے ملک کو بچانا ہے اور ایک اللہ پر یقین کرنا ہے کیونکہ قومیں ڈوبتی اس وقت جب اُن کو مقصد کی صداقت پر یقین باقی نہیں رہتا۔ یقین نہیں رہتا تو عزم مُتزلزل ہو جاتا ہے۔ عزم سنگ بنیاد ہوتا ہے، جب وہ مُتزلزل ہوتا ہے تو اوپر کی عمارت کی تو حیثیت نہیں رہتی۔ آج ہم جو رو رہے ہیں تو وہ اس لیے کہ ہم میں یقین باقی نہیں رہا۔ ہمیں ایک اللہ پر یقین کرنا چاہیے اور ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہمارا اللہ ایک ہے، نبیؐ ایک ہے، قران ایک ہے۔ ہم سب پاکستانی ہیں اور پاکستان ہمارا دیس ہے۔ نہ کوئی پٹھان ہے، نہ بلوچی، نہ پنجابی اور نہ سندھی اور 23 مارچ 1940 ہماری عزم اور ہمت کی پہچان ہے۔۔۔۔۔۔۔

پرویز مُشرف صاحب کا کیا ہوگا؟؟؟

وزیر مملکت برائے داخلہ امور میاں بلیغ الرحمان نے کچھ دن پہلے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں امن وامان کی بحالی اور 12 برس سے جاری بد امنی کے حاتمہ کے لیے حکومت سنجیدہ اقدامات کر رہی ہے اور طالبان سے جاری مذاکرات کی نگرانی وزیر اعظم صاحب خود کر رہے ہیں، عوام پُر امن رہیں، جلد قوم کو دہشت گردی سے نجات دلائیں گے۔ سابق صدر پرویز مُشرف کی کیس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ملکی تاریخ میں پہلی بار کسی آئین توڑنے والے طالع آزما جرنیل پر فرد جرم عائد ہوئی جو انتہائی خوش آئند اور تاریخی امر ہے۔ سابق صدر کو بیرونی ملک بھجوانے کے معاملہ پر حکومت کسی سے ڈیل نہیں کر رہی۔۔۔۔۔

آج کل پرویز مشرف صاحب کی باہر ملک جانے کی خبریں گردش میں ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ مشرف صاحب باہر ملک جائے گا اور کئی ان سے مُخالفت کرتے ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ پاکستان کے ایک سروے کے مطابق جو گیلانی ریسرچ فاونڈیشن کی طرف سے کرایا گیا ہے، میں کہا گیا ہے کہ صرف 69 فیصد پاکستانیوں کے خیال میں سابق صدر پرویز مُشرف کے خلاف الزامات دُرست ہیں۔ گزشتہ ہفتے

کرائے جانے والے سروے کے مطابق 54 فیصد پاکستانیوں کے رائے میں مُشرف کو ٹرائل میں سزا نہیں ہوگی۔ 41 فیصد پاکستانیوں کے رائے میں مشرف کو سزا ہونے یا نہ ہونے سے ان کی زندگیوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مشرف صاحب کس حد تک اپنے آپکو سزا سے بچا سکتا ہے۔

ایک نیوز کے مُطابق، عدالت نے سماعت کے دوران مشرف کے 31 مارچ کو حاضر نہ ہونے پر ان کے وارنٹ گرفتاری جاری بھی رکھے تھے تاہم گزشتہ روز مشرف عدالت میں حاضر ہوئے اور ان کے وکیل بیرسٹر فروغ نسیم نے اپنے دلائل میں کہا کہ مشرف کی والدہ بیمار ہیں اور وہ اپنا علاج امریکہ سے کرانا چاہتے ہیں، لہٰذا انہیں اجازت دیکر ان کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے نکالا جائے، جس پر عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا کہ مشرف جہاں سے چاہیں اپنا علاج کرائیں اور ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں اُن کا نام عدلیہ نے نہیں حکومت نے ڈالا ہے اور اس فہرست سے اپن کا نام نکالنا بھی وفاق کا اختیار ہے۔۔۔

وفاق کو فیصلہ بہت احتیاط سے کرنا ہوگا اور سابق صدر پرویز مُشرف کے غلطیوں کا جائزہ لینا ہوگا مثلاً نواز شریف کی معزولی اور مارشل لاء، ملک کو بلا وجہ دہشت گردی میں دھکیلنا، پاکستان سٹیل ملز کا کیس، سابق چیف جسٹس آف پاکستان کی معطلی اور اُن پر کرپشن کے الزامات، لال مسجد آپریشن، عافیہ

صدیقی اور ان کا بیٹا سلیمان کا لاپتہ ہونا، وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔

وفاق ایسے ہی کشمکش میں مبتلا ہے حالانکہ اس فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں کہ سابق صدر پرویز مُشرف کو ملک سے باہر جانے دیں یا نہ دیں اور اُس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے نکالنا چاہیے یا نہیں کیونکہ ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اپنا ایک اسلامی آئین اور قانون ہے، یہ بات الگ ہے کہ اس پر کوئی عمل کرتا ہے یا نہیں، لیکن اگر پرویز مُشرف صاحب کا کیس آئین کے مطابق حل کرنا ہے تو فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔اب فیصلہ نواز شریف صاحب کے ہاتھ میں ہے کہ وہ کس طرح پرویز مُشرف کا کیس کا فیصلہ کرتا ہے۔وزیر اعظم صاحب کو جو بھی کرنا ہے، سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے اور ایسا فیصلہ کرنا چاہیے کہ کل پھر اپنے فیصلے پر پشیماں نہ ہو، ایسا فیصلہ کرنا چاہیے جو پاکستان کے آئین کے مطابق ہو، اور اگر صحیح فیصلہ نہ کیا گیا تو آج ن لیگ کی حکومت ہے کل کسی اور کا ہوگا اور پھر ایک دن آئے گا کہ اس فیصلہ کے بارے میں اُنس (نواز شریف صاحب) سے بھی پوچھا جائے گا۔۔۔۔

شیخ رشید احمد صاحب،،،،،،اصلی ہیرو

" شیخ رشید کی نفرت سے نہیں محبت سے ڈر لگتا ہے" وینا ملک کے اس بیان نے مجھے بارہ سال پیچھے دھکیل دیا۔ اُس وقت میں ساتویں جماعت میں تھا۔ میں بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا شیخ صاحب پر مگر اُس وقت نہ تو میرے قلم میں طاقت تھا اور نہ میرے پاس اتنا علم تھا کہ اپنے جذبات کو تحریری شکل دوں۔۔۔۔۔

شیخ رشید احمد صاحب اُس وقت ایک طالبعلم تھا جب صدر ایوب خان کے خلاف عوامی تحریک میں پہلی بار بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کسی کو پتہ تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر ایک عظیم، سچا اور مُحب وطن سیاستدان بنے گا جسکے چرچے سارے مُلک میں ہونگے اور ہر کسی کی زُبان پر اُس کا نام ہوگا۔ بچپن ہی سے اُس میں ایک کامیاب سیاستدان اور ایک مضبوط دل والا قائد کی خوبیاں موجود تھیں۔ کالج میں طلبہ یونین کے صدر تھے۔ 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں اور پھر 1988 کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1990 سے 1993 اور پھر 1997 کے انتخابات میں بھی کامیابی حاصل کی۔ مشرف کی دور میں کی گئی 2002 کے انتخابات میں آزاد حیثیت سے کامیاب ہوئے۔ 2008 کے انتخابات میں پہلی بار اُسے شکست کا

سامنا کرنا پڑا۔ اُس شکست کے بعد اُس نے عوامی مسلم لیگ پاکستان کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی اور 2013 کے عام انتخابات میں پہلی بار اپنی جماعت سے قلم دان کے نشان پر این اے 56 نشست سے کامیابی حاصل کی۔اپنی سیاسی کیریئر میں وہ سات مرتبہ وزیر رہا جو ایک ناقابل فراموش اعزاز ہے۔بطور وزیر اُس نے ہر ادارے میں بہت کام کئے لیکن سب سے نمایاں کارنامے اُس نے ریلوے اور تعلیم پر کئے جسکا مثال کہی نہیں ملتا۔اُن کی زندگی میں بہت سے اُتار چڑھاو آئے لیکن وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوئے بلکہ ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

حاضر جوابی مین بھی اُن کا کوئی بھی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔ایک نیوز چینل کے GHQ نمائیندے نے ایک مرتبہ اُن سے پوچھا کہ آپ پر یہ الزام ہے کہ آپ قریب ہیں، اُن کے لیے کام کرتے ہیں اور اُن کے ژبان بولتے ہیں، اسی وجہ سے آپ حکومت وقت کے قریب ہوتے ہیں، یہ الزام کتنا سچا ہے؟ شیخ صاحب نے بہت استقامت کا الزام RAW سے اُس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مجھے اللہ کا شکر ہے کہ مجھ پر کبھی کا آدمی ہوں۔ میں جب MOSAAD نہیں لگا کہ میں انڈیا کے ایجنسی کا آدمی ہوں یا حکومت میں ہوتا ہوں ظاہر ہے اُن سے میرے تعلقات ہونگے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر جنرل کیانی سے ہم تعلقات رکھتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ فوج آئیں یا فوج حصہ لیں۔ہم فوج کے عزت کو پاکستان کی

عزت سمجھتے ہیں۔۔۔۔

حال ہی میں شیخ صاحب کو ایک واقعہ اُس وقت پیش آیا جب 21 مارچ 2014 کو وہ ٹورنٹو جانے کے لئے اسلام آباد کے بے نظیر انٹرنیشنل ائیرپورٹ میں کینیڈا سے روکا گیا۔کینیڈا سفر کرنے والے کسی بھی مسافر کے لئے امریکی ہوم لینڈ سیکورٹی سے کلئیرنس حاصل کرنا ضروری ہوتی ہے جو کہ انہیں کلئیرنس نہیں ملی۔اس واقعہ پر حکومت پاکستان نے کوئی ایکشن نہیں لیا جس پر شیخ صاحب نے کہا کہ یہ پورے ملک کی بے عزتی ہے۔ تقریبا دو سال پہلے بالی ووڈ کے اداکار شاہ رخ خان کو امریکہ نے ائیرپورٹ پر روکا تھا، جس پر بھارتی حکومت نے ایکشن لیا تھا اور پھر امریکہ نے شاہ رخ خان سے معافی بھی مانگی تھی مگر ہماری حکومت نے اس پر کچھ نہیں کیا۔۔۔۔۔

شیخ رشید احمد صاحب کے بارے میں کسی کا کوئی بھی رائے ہو مگر یہ بات واضح ہے کہ ہر کوئی اُن کے بارے میں رائے ضرور رکھتا ہے۔وہ جس چینل پر بھی ہو، لوگ اُسے دیکھنا پسند کرتے ہیں۔اُن کی باتوں اور انداز میں ایک نرالہ جادو ہے۔ وہ ایک سچا اور ایماندار سیاستدان ہے۔ سات وزارتیں کرنے کے باوجود وہ کسی بھی طرح الزام سے آزاد ہے۔جب بھی اور جہاں بھی سکولز اور کالجز کی تعمیر کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں شیخ رشید کا نام ضرور لیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ اُس نے

ریلوے کو جو ترقی دی تھی وہ کسی اور نے نہیں دی ہے۔اس کے علاوہ شیخ رشید نے بہت سی ترقیاتی کام شروع کروائے تھے لیکن بد قسمتی سے اُن کا موں پر نام کسی اور کا لگ جاتا ہے۔۔اور پھر بھی کہتے ہیں کہ شیخ صاحب نے کچھ نہیں کیا۔۔۔۔

عافیہ صدیقی کو انصاف چاہیے

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات ، پاکستان کے قیام میں آنے سے شروع ہوجاتی ہے لیکن دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دونوں ملکوں کے تعلقات کا دوسرا مرحلہ جنرل پرویز مشرف صاحب کے دور سے شروع ہوا۔ہمارے لیے بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ جہاں کہی بھی دہشت گردی کی بات ہو رہی ہو تو پاکستان کا نام سب سے پہلے آ جاتا ہے حالانکہ دُنیا میں پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو دہشت گردی کے خاتمے کی لیے مُخلص ہے اور سب سے زیادہ نقصان بھی پاکستان ہی نے اُٹھایا ہے۔جب سے پاکستان نے دہشت گردی کے خاتمے کی لیے امریکہ کو ہاتھ دیا ہے تب سے پاکستان کو بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن ہم نے امریکہ کو دوستی کا ہاتھ نہیں بلکہ غلامی کا ہاتھ دیا ہے کیونکہ دوستی میں دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجتی ہے۔جب امریکہ میں یا کسی اور مُلک میں دہشت گردی کا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو سب سے پہلے امریکہ، پاکستان پر الزام لگاتا ہے۔ہمارے پیارے ملک پاکستان میں جو دہشت گردی ہو رہی ہے وہ امریکہ ہی کی مہربانی سے ہو رہی ہے اور پتہ نہیں کب تک جاری رہیگی۔

امریکہ کی پاکستان میں ڈرون حملے اور افغانستان کے جنگ میں زبردستی دھکیلنا

اپنی جگہ لیکن جس طرح اُنھوں نے پاکستان کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو اغوا کیا اور اُسے قیدی نمبر 650 بنایا، پاکستان کے سیاستدانوں اور عوام کے منہ پر طمانچہ ہے۔2 مارچ 1972 کو کراچی میں پیدا ہونے والی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو 2003 میں امریکہ نے 3 بچوں سمیت کراچی کے گلشن اقبال علاقے سے اغوا کیا اور اُسے افغانستان لے گیا۔امریکہ کا دعوی تھا کہ انھوں نے عافیہ صدیقی کو 27 جولائی2008 کو افغانستان سے گرفتار کر دیا اور اُن پر مقدمہ چلانے کے لئے نیویارک بھیجا گیا۔اُن کا کہنا ہے کہ عافیہ صدیقی نے امریکی فوجی کی بندوق چھین کر اُن پر گولیاں چلائی اُن کی القاعدہ سے تعلق ہے اور وہ القاعدہ کے لئے ایک متحرک کردار ادا کر رہی ہے۔عافیہ صدیقی کے وکیل نے عدالت میں یہ ثابت کر دیا تھا کہ نہ تو کمرے میں رائفل سے چلی ہوئی گولیاں ملی اور نہ ہی کمرے میں ٹنگے پردے پر بارود کے ذرات ملے ہیں۔لیکن پھر بھی ستمبر2010 میں نیویارک امریکی عدالت نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو 86 سال کی 23 سزا سنائی اور شاید پہلی بار کسی پاکستانی کو، امریکہ کے کسی عدالت میں دہشت گردی کے الزام میں سزا سنائی گئی ہو۔

میں عافیہ صدیقی کا نام امریکہ نے القاعدہ کے ان سات ارکان کے فہرست میں 2004 جاری کیا تھا جس کے بارے میں شک تھا کہ وہ نیویارک پر حملے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔اسلام آباد عدالت میں ایک درخواست میں الزام لگایا گیا تھا کہ عافیہ صدیقی کو مشرف کے دور میں ڈالروں کے عوض امریکیوں کے ہاتھوں فروخت

کیا گیا۔

سزا سنانے سے پہلے فوزیہ صدیقی اپنی بہن کو انصاف دلانے کے لئے ہر وقت کوشش میں لگی رہتی۔پاکستان کی سیاستدانوں نے فوزیہ صدیقی سے عافیہ صدیقی کیس کے سلسلے میں ملاقاتیں کیں۔یوسف رضا گیلانی نے فوزیہ صدیقی سے پانچ بار ملاقات کی، اُن سے ہمدردی کا اظہار کیا اور اپنی طرف سے کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔ان کے علاوہ نواز شریف، رحمان ملک، مشاہد حُسین، شہباز شریف اور فاروق ستار نے بھی فقد تسلی دینے کے لئے صرف ایک ایک بار ملاقات کی۔پرویز اشرف صاحب نے بھی عافیہ کیس کے جائزہ لینے کے لئے وزیر خارجہ حنا ربانی کھر کی سربراہی میں چار رُکنی کمیٹی قائم کر دی تھی لیکن ان کے باوجود عافیہ صدیقی کو سزا سے بچا نہ سکی۔

اب تو یہ انکشاف بھی سامنے آیا ہے کہ تین مہینے پہلے پاکستانی حکومت نے عافیہ صدیقی کی رہائی کیس واپس لے لیا ہے۔اگر کسی سیاستدان کی اپنی بیٹی اسطرح کی سلوک سے گزرتی تو شاید اُن کا رد عمل مختلیف ہوتا لیکن عافیہ کس کی بیٹی ہے ؟؟؟کیا وہ پاکستان کی بیٹی نہیں ہے ؟؟؟؟ کوئی بھی اُسے واپس لانے کے لئے کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اُن کا ذکر ہو رہا ہے ہمارے پیارے ملک کے سیاستدانوں کے منہ سے۔کاش عافیہ صدیقی، سابق چیف جسٹس ہوتا جسکی بحالی

کے لئے سارے وکلاء اور عوام سڑکوں پر نکل آتے ، کاش عافیہ صدیقی ، ڈاکٹر طاہر القادری کا ایشو ہوتا جسکی وجہ سے اسلام آباد کے سڑکیں بند پڑے ہو۔ حکمران تو ویسے ہی کچھ نہیں کر رہے ہیں لیکن ہم عوام نے بھی اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں ۔ عافیہ کا گنہگار ہم سب ہے کیونکہ ہم میں سے بھی کوئی ایسا نہیں جو کم از کم اپنی حیثیت سے اُسے واپس لانے کے لئے کوشش کرے۔ عوام کو چاہیے کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکہ کے قید سے چھڑانے کے لئے ہر ممکن اور جائز کوشش کرے تاکہ حکمران مجبور ہو کر عافیہ کیس دوبارہ شروع کرائیں اور اُسے انصاف دلائیں۔۔۔

پیپلز پارٹی کا دور اور موجودہ حکومت۔۔۔۔۔۔

آج کل ہمارا پیارا ملک پاکستان ایک مشکل اور نازک دور سے گزر رہا ہے۔ایک طرف طالبان سے مزاکرات کا عمل جاری ہے تو دوسری طرف پرویز مشرف صاحب کا کیس ایک معمہ بن چکا ہے۔اپوزیشن کی تنقید بھی جاری ہے اور فوج اور رائے ونڈ کے درمیان کشمکش بھی زوروں پر ہے۔اس مشکل حالات میں بجائے وفاقی حکومت کی حمایت اور اس سے مل کر مسائیل کو حل کرنے کے، سب پارٹیاں ادھر اُدھر کی تنقیدی بیانات سے وفاقی حکومت پر ڈرون حملے کر رہے ہیں۔اسلام آباد کے دھماکہ پر ان کے تنقید میں اور اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ گزشتہ روز اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے ایک بیان میں کہا کہ وزیر داخلہ اور ایجنسیاں بتائیں کہ اسلام آباد دھماکہ میں طالبان نہیں تو کون ملوث ہیں ؟انہوں نے وزیر داخلہ پر مزید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ چودھری نثار غرور و تکبر ترک کر کے صورتحال پر توجہ دیں، یہ امن ہے تو امان کسے کہتے ہیں؟؟ یہ پڑھ کر مجھے لگا کہ خورشید شاہ صاحب تنقید نہیں بلکہ ملک میں امن وامان کا خواہشمند ہیں۔پھر مجھے آج کے خورشید شاہ اور پیپلز پارٹی حکومت خورشید شاہ میں بہت بڑا فرق نظر آیا۔میں اُس خورشید شاہ صاحب کو بھول گیا تھا جو پیپلز پارٹی کی حکومت میں دھماکہ ہونے پر افسوس کرنے اور سوگ منانے پر اکتفا کرتا۔وہ دور یاد جب ملک میں ہر

طرف بدامنی، افراتفری اور لاقانونیت تھی۔مارچ 2008 کا مہینہ یاد آگیا جہاں ملک چاروں طرف دھماکوں میں گھیرا ہوا تھا۔تربت ، لورالائی ، ڈیرہ غازی خان ، دیر اور کوئٹہ وغیرہ میں قیامت کے وہ مناظر ابھی تک لوگوں کی ذہن میں گردش کر رہی ہیں۔پھر کراچی کے واقعات یاد آگئے جس پر خورشید شاہ صاحب نے 18فروری کو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ کراچی کے واقعات کا صرف ہم ذمہ دار 2013 نہیں بلکہ یہ ایجنسیوں کی ناکامی بھی ہے۔2013 کے کراچی اور کوئٹہ دھماکوں کے بارے میں جب ڈان نیوز کے ایک پراگرام (05 ماچ 2013) میں جناب خورشید شاہ سے پوچھا گیا تو موصوف نے سُنی اور شیعہ فسادات اور فرقہ واریت کا رنگ دیااور حالات پر کنٹرول لانے کے لئے کوشش کرنے کو کہا۔حالانکہ اُس وقت پتہ نہیں اُس کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آئی کہ اب تو حکومت اپنی پانچ سال مدت پورا کرنے کو ہے اور یہ جناب اب کوشش کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔اگر اب کوشش کرتے تو کوئی یہ تو بتادیں کہ گزشتہ پانچ سال یہ کیا کر رہے تھے ؟ وفاقی حکومت کو حالات پر توجہ دینے والا وہ دور کیسے بھول سکتا ہے کہ جب کہی دھماکہ ہوتا توصرف افسوس اور سوگ کے اعلان پر اکتفا ہوتا اور دوسری پارٹیوں کو تعاون کرنے کو کہا جاتا۔اب پیپلز پارٹی اپنی تعاون کی پالیسی پر خود کیوں عمل نہیں کرتی؟؟؟

مہنگائی یاد آئی، موبائل کارڈز پر حد سے زیادہ ٹیکس لگانااور پٹرول کی

قیمتوں کا آسمان سے باتیں کرنے کا زمانہ بھی یاد آیا۔ ریمنڈ یوس کی رہائی اور اُسے اپنے ملک واپس بھیجنا بھلا کون بھول سکتا ہے۔ پھر ملک میں وائرس کی طرف پھیلنے والے دھماکے اور ڈرون حملے یاد آ گئے۔

سے 2008 تک پرویز مشرف صاحب کے دور میں صرف دس ڈرون حملے 2004 ہوئے تھے جسمیں تقریبا 121 افراد مارے گئے تھے لیکن پیپلز پارٹی کی بات کچھ اور تھی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت میں 2008 میں تقریبا 26 ڈرون حملے ہوئے جسمیں میں افراد مارے گئے تھے۔ 2009 میں 48، 2010 میں 97، 2011 میں 52 156 اور 2012 میں 37 حملے ہوئے تھے جس میں بالترتیب 536، 831، 548 اور 344 افراد جاں بحق ہوئے تھے۔ نواز شریف صاحب کے حکومت میں بھی کئی ڈرون حملے ہوئے لیکن 2014 میں ابتک ایک بھی ڈرون حملہ نہیں ہوا۔ 2008 سے 2013 تک ڈرون حملوں کے علاوہ ملک میں اور بھی بہت دھماکے ہوئے جس میں بہت سے بے گناہ مارے گئے۔ سال 2008 دھماکوں میں مرنے والوں کی تعداد تقریبا 2155، میں مرنے والوں کی تعداد 2324، 2010 میں 1796، 2011 اور 2009 میں مرنے والوں کی تعداد بالترتیب 2778 اور 3007 تھے۔ دوسروں کی 2012 حکومت پر تنقید کرنے والوں کی حکومت کا یہی حال تھا۔ اُس دور میں ملک میں ایک عجیب مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ مہنگائی سے تنگ آ چکے تھے۔ دھماکوں اور بدامنی کی وجہ سے لوگوں کا گھروں سے نکلنا مشکل ہو چکا تھا۔

حکومت مکمل کرنے پر خورشید شاہ صاحب کا کہنا تھا کہ ہم نے پانچ سال حکومت اپوزیشن کی پختگی کی وجہ سے مکمل کی اور انہوں نے ہمیں یہ موقع دیا۔اب جو کہ وفاقی حکومت کو بہت چیلنجوں اور مسائل کا سامنا ہیں تو اپوزیشن کیوں نواز حکومت کی حمایت نہیں کرتااور اُن سے کیوں یہ موقع گنوانے پر تلے ہوئے ہیں؟؟کیا ہمارے لیڈر ملک کو بچانے کے لئے ایک نہیں ہو سکتے ؟کیا سیاستدان انفرادی سوچ کی بجائے اجتماعیت کو فروغ نہیں دیں سکتے ؟کیا سیاست صرف اپنی پارٹی اور اپنی کرسی تک محدود ہوگیا ؟؟ اگر ہمارے سیاستدان ملکر وفاقی حکومت سے تعاون کرے اور ان کا ساتھ دیں ، پھر نہ تو دھماکے ہونگے اور نہ ہی عوام میں مایوسی ہوگی۔اگر سب ملکر اجتماعی سوچ کو اپنے اندر دبا دیں اور اجتماعی سوچ سے کام لیں تو انشاءاللہ پاکستان کے سارے مسائل حل ہونگے اور ملک میں امن وامان ہوگا۔اب فیصلہ ان کو کرنا ہے کہ انہیں اپنی پارٹی اور کُرسی پیاری ہے یا اپنا ملک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نواز شریف بمقابلہ عمران خان

فیس بک پر وہ پوسٹ دیکھ کر مجھے شرم محسوس ہوئی اور فیس بک چھوڑنے کو دل کیا۔ پھر سوچا کہ فیس بک چھوڑنے سے کیا ہوگا؟ شائد کچھ نہیں۔۔۔ سوچتے سوچتے میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس کے بارے میں کچھ لکھوں۔۔۔۔۔۔

فیس بک ایک سماجی نیٹ ورکنگ سروس ہے۔اسے 4 فروری 2004 کو قائم کیا گیا ہے۔ 2008 میں اس کے صارفین کی تعداد تقریبا 100 سو ملین تھی اور 2013 میں یہ تعداد 1.11 بلین تک پہنچ گئی تھی ۔اس کے علاوہ فیس بک پر مختلیف قسم کے پیجز ہوتے ہیں۔ کئی پیجز معلومات کی فراہمی کے لئے ہوتے ہیں کئی کسی ادارے یا کمپنی کے بارے میں، کئی کسی سیاستدان ، علما کرام، سائنسدان اور فلمسٹار وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ان پیجز کی تعداد 54, 200,000 ہے اور ہر روز اس میں تیزی سے اضافہ ہوتا جارہاہے۔ کئی پیجز ایسے ہوتے ہیں جو نوجوانوں پر بہت برے اثرات چھوڑ جاتے ہیں اور ان میں ہم خود اپنے ملک کے سیاستدانوں پر ایسے ایسے تنقید کرتے ہیں کہ وہ تنقید ایک مُہذب قوم کی پہچان نہیں ہوتی۔ میں ایسے پیجز کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں جو مجھے نہیں لگتا کہ فیس بک پر ان

I Hate Imran Khan (The Master of U Turn)) کا کوئی مثبت کردار ہو۔پہلے پیج کا نام ہے۔ جو ابھی تک تقریبا 101, 340 لوگوں نے لائک کیااور ((I Hate Nawaz Shareef (The Master of " Noora Kushti")) دوسرے پیج کا نام جو کہ 138, 476 لوگوں نے لائک کیا ہے۔ان دونوں پیجز پر ہمارے مغزز سیاستدان اور وزیراعظم جناب نواز شریف صاحب اور پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان جیسے عظیم رہنماوں کا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ہم نے اپنا ملک صرف اپنی پارٹی تک محدود رکھا ہے۔ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے اپنے پیارے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اوران پیجز پر ہم اپنے لیڈروں کے بارے میں ادھر اُدھر کے فضول باتیں کر رہے ہیں۔ان پیجز کے پروفائل تصاویر اور، اور بہت ایسے تصویریں ہیں جنہیں دیکھ کر آدمی شرم محسوس کرتا ہے۔ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہم کیا اور کس کے ساتھ یہ مذاق کر رہے ہیں۔ان پیجز پر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک حصہ نواز شریف صاحب کو اور دوسرا عمران خان صاحب کو دیا ہے۔حالانکہ نہ تو پاکستان نواز شریف صاحب کا ہے اور نہ عمران خان صاحب کا۔ یہ تو ہمارا ملک ہے کیونکہ ہم ہونگے تو پاکستان ہوگا اور ہم نہیں ہونگے تو کچھ نہیں ۔۔۔۔۔۔یہ الگ بات ہے کہ یہ دونوں سیاستدان ملک کے ترقی اور خوشحالی کے لے بہت کچھ کر رہے ہیں اور انہی کی وجہ سے ہمارے پیارے ملک میں مثبت تبدیلی سامنے آرہی ہے۔ غلطی ہماری ہے کیونکہ ہم ایک دوسرے کی وجود کو

تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے میں پی ٹی ائی کا ہوں اور کچھ کہتے ہیں کہ ہم پی ایم ایل این وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔۔۔ہم نے اپنے سوچ کو محدود کر دیا ہے اور یہ بھول گئے ہیں کہ ہم پاکستانی ہیں۔ میرا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ کوئی اپنی پارٹی چھوڑے یا اپنی پارٹی کے مخالف بن جائے بلکہ میرا یہ مطلب ہے کہ ہمیں ایک دوسرے پر تنقید نہیں کرنی چاہئے کیونکہ تنقید سے نہ تو کوئی مسئلہ حل ہو سکتا ہے، نہ خوشحالی آ سکتی ہے اور نہ ہی ملک ترقی کر سکتا ہے۔ابا گر ایک کام کرنے سے ہمیں کچھ نہیں مل سکتا تو ہم وہ کام کیوں کرتے ہیں؟؟؟؟افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں پیجز جو بہت مُدت سے چل رہے ہیں، آج تک کسی نے ان کے بارے میں کیوں کچھ نہیں لکھا اور ان پر بات کرنیکے لئے کسی کے پاس وقت کیوں نہیں ہے؟؟؟یا ہمیں واقعی اپنے ملک سے کچھ ذیادہ محبت نہیں ہیں اور ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پسند کرتے ہیں۔کیا ہم نے سقوط ڈھاکہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا؟کیا انفرادیت کا یہ سوچ ہمیں ایک اور بنگلہ دیش بننے پر مجبور نہیں کر سکتا؟کیا ہم وہ آزادی بھول گئے ہیں جن کے لئے ہمارے بزرگوں نے بہت قربانیاں دی تھی؟ اب اس کا فیصلہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جو یہ دو پیجز چلا رہے ہیں کہ نہیں صرف اپنی پارٹی سے محبت ہے یا اپنے پیارے ملک پاکستان سے۔۔ اگر یہ پیجز ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم ان پر کسی سیاستدان کا مذاق اڑانا اور ان کے خلاف بیہودہ باتوں اور فضول کلمات سے اجتناب تو کر سکتے ہیں نا؟ میرا مطلب اس سے کسی پر

تنقید کرنا ہر گز نہیں ہے۔ میرا صرف یہ مطلب ہے کہ ہمیں احتیاط کرنی چاہئے ، ایک دوسرے پر تنقید سے اجتناب کرنی چاہئے اور کسی پارٹی کے لئے نہیں بلکہ اپنے پیارے ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے سوچنا چاہیے اور دل کھول کر اپنے ملک کی ترقی کے لئے جتنا ممکن ہو ، کام کرنا چاہئے۔

مولانا طارق جمیل صاحب اور ایک سیب والا۔۔

23 جون 1953 کو ضلع خانیوال کے علاقے میاں چنّوں میں پیدا ہونے والا عظیم شخصیت کا مالک، تدریسی و تبلیغی دنیا میں ایک بے مثال نام پیدا کرنے والا مولانا طارق جمیل صاحب کسی تعریف کا محتاج نہیں۔اس کا نام سنتے ہی دل تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔اس کی قول میں ایک عجیب اثر اور تقاریر میں مسلمانوں کو ایک اللہ کی طرف بلانے کا جذبہ ہے۔دل اتنا صاف کہ کوئی بھی شخص ، ان کی دل کا حال ان کے مسکراہٹ میں دیکھ سکتا ہے اور رُعب اتنا کہ کوئی اُس کے سامنے ہلنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں سڑک کے کنارے جارہا تھا تو میں نے سامنے دیکھا کہ ریڑی والا بزرگ آ رہا تھا، سُفید کپڑے پہنے، چہرے پہ معصومیت لیئے جب وہ میرے قریب سے گُزرا تو میں نے دیکھا کہ اس نے ریڑی پر ایک پیٹی رکھی ہوئی ہے۔ میں نے اس کی طرف پیار سے مُسکرا کر دیکھا تو اچانک اس بزرگ کے آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ میں حیران ہوا اور قریب جا کر پوچھا بزرگو، سب خیر تو ہے، تو اُس نے ریڑی پر رکھی ہوئی پیٹی اُلٹ دی۔کیا دیکھتا ہوں کہ اس پیٹی میں سیب موجود ہیں۔ اوپر والی تہہ ٹھیک ، باقی سارے سیب گلے سڑے ہیں۔وہ بُزرگ بولا، جناب، میں بہت غریب ہوں۔دن میں ایک پیٹی خریدتا ہوں۔ شام کو بیچ کر بچوں کے لئے تازہ کھانا لیکر جاتا ہوں۔آج کسی نے میرے بچوں کی روزی مار لی۔۔۔۔۔ذرا

سوچیئے۔۔۔پٹی میں سیب بھرنے والا آصف زرداری تھا؟ نواز شریف تھا؟ عمران خان تھا؟ کوئی ایم این اے یا کوئی ایم پی اے تھا؟ نہیں وہ ایک عام مزدور پاکستانی تھا۔ جہاں اپنے اپنوں کے دشمن ہو،اُس ملک کو امریکہ کی دشمنی سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم باتیں تبدیلی کی کرتے ہیں، گالیاں حکمرانوں کو دیتے ہیں، لیکن ہمارا اپنا گریبان کس لئے ہیں ؟؟؟

تو یہ ہے ہم اور ہماری تبدیلی کی باتیں۔۔ہمارے سیاستدانوں کے کرپشن اپنی جگہ ، وہ اپنے اپنے اختیار کے مطابق کام کرتے ہیں، خواہ وہ منفی کام ہو یا مثبت، لیکن ہم عوام اپنے اپنے اختیار کے مناسب کیا کر رہے ہیں، یہ کسی نے ابھی تک نہ سوچا اور نہ ہی سوچنے کے لئے وقت نکالا ہے کیونکہ ہم میں دوسروں پر تنقید کرنے کی بیماری اتنی پھیل چکی ہے کہ ہمیں اپنی بُرائی دیکھائی نہیں دیتا۔ جس طرح اُس پٹی میں سیب کسی سیاستدان نے نہیں رکھے تھے ٹھیک اُسی طرح ایسے اور بھی بہت بُرے کام ہیں جو ہم خود کرتے ہیں لیکن نام کسی اور کا لگا رہے ہیں۔گُناہ بھی خود کرتے ہیں اور الزام سیاستدانوں پر لگا دیتے ہیں۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی کسی قوم پر ان کے اعمالوں کے مُطابق حاکم مُسلط کرتا ہے۔

پھر ہم کیوں اپنے سیاستدانوں پر تنقید کرتے وقت اس ارشاد کو بھول جاتے ہیں؟؟ جب ہم اپنے اپکو بُرائیوں اور غلط کاموں سے نہ روکے تب تک ہم اُن پر بھی تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔اب چونکہ ایک شخص خود سر سے پاؤں تک غلط کاموں اور بُرائیوں میں ڈوبا ہو وہ کسی اور کو گناہوں سے کیسے روک سکتا ہے اور اُسے صحیح راستے پر لانے کی تلقین دیں سکتا ہے ؟ سیاستدانوں کی کرپشن وغیرہ کچھ حد تک دور رکھ کر ہمیں اپنے اپ کو سُدھارنا اور سنبھالنا ہے۔اپنے نفس کو قابو میں کرنا ہے۔ ہمیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صداقت وسچائی اور حضرت عمرؓ کی طرح عدل وانصاف کا فلسفہ اپنانا ہے۔پھر ہم معاشرے میں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں جو ہمارے دین نے ہمیں بتایا ہے۔پھر ہم ہر کسی کو امر بالعروف و نہی عن المنکر کا درس دیں سکتے ہیں۔گناہوں پر قابو پا سکتے ہیں۔ پھر نہ تو کوئی دوسری طاقت ہم پر مُسلط ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ہمیں ہرا سکتے ہیں۔ اور اخر میں جیت ہماری ہوگی، صرف ہماری۔۔۔۔۔

ہم صرف اور صرف پاکستانی ہیں

1997 کے عام انتخابات میں مُسلم لیگ (ن) نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی اور نواز شریف پاکستان کے بارھویں وزیراعظم کے طور پر منتخب ہوئے۔ سارے عوام نے نواز شریف صاحب کو مبارک باد دی۔۔ لوگ ایک دوسرے کو بھی مبارکباد دیں رہے تھے۔ مہنگائی کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ لوڈشیڈنگ سے لوگ نا آشنا تھے۔ پورے ملک میں امن وامان کا فضاء قائم تھا۔ یہ سب اس لئے نہیں کہ نواز شریف پاکستان کا وزیراعظم منتخب ہوئے بلکہ اس لئے کہ عوام متحد تھے۔ اُس دور میں کوئی بھی شخص اگر صدر یا وزیراعظم منتخب ہوتا تو عوام اسے مبارک باد دیتے تھے اور بخوشی سے تسلیم کرتے تھے۔ پارٹی بازی صرف الیکشن کے دنوں تک محدود ہوتا تھا۔ ابھی نواز شریف کی حکومت کا تین سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ مارشل لاء نے اُسے حکومت سے بر طرف کر دیا۔ پھر پرویز مُشرف صاحب کا دور آتا ہے۔ 1999 میں پرویز مشرف نے ملک میں ایمرجنسی نافذ کرکے نواز شریف صاحب کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ اُس دن بھی عوام خوشیاں منا رہے تھے۔ لوگوں نے پرویز مشرف صاحب کو خوش آمدید کہا ۔ جنرل مشرف نے تقریبا 9 سال حکومت کی اور ملک کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ جس سے ہر کوئی واقف ہیں۔ اس کے بعد زرداری صاحب کا دور آتا ہے۔ پرویز مشرف صاحب کے مُستفی ہونے اور ملک کو بیچ منجدھار میں چھوڑنے کے بعد زرداری صاحب میدان میں قدم

رکھتا ہے۔بے نظیر بھٹو کی شہادت کی وجہ سے لوگوں کی ہمدردیاں بھی پیپلز پارٹی اور بعد میں آصف علی زرداری کے ساتھ تھی۔اس وقت عوام میں پارٹی بازی اور منتشر ہونے کی بیماری تقریبا 3 سال سے وائرس کی طرح پھیلنا شروع ہو چکی تھی۔میں میں اور تو تو کا دور شروع ہو چکا تھا۔خیر آمدم برسر مطلب۔۔۔۔۔زرداری صاحب نے پانچ سال حکومت پورا کیا اور پاکستان کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا کہ کوئی حکومت اپنا مدت پورا کر لیا ہو۔

2013 کے عام انتخابات میں مسلم لیگ (ن) نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی اور نواز شریف صاحب کو پاکستان کا وزیر اعظم منتخب کیا گیا۔اس بار عوام کا جزبہ کچھ اور تھا۔نواز شریف صاحب کو وزیر اعظم منتخب ہونے پر ملک میں ایسا نظارہ دیکھنے کو نہیں ملا جیسا کہ پہلے ہوا کرتا تھا۔جب کوئی صدر یا وزیر اعظم منتخب ہوتا تو عوام خوش ہو جاتے تھے اور اُسے مبارکباد دیتے تھے لیکن اس بار نہ تو سارے ملک میں خوشیاں تھی اور نہ ہی سارے عوام نے مبارکباد دی۔خوشیاں منا رہے تھے تو صرف (ن) لیگ والے، اور کوئی نہیں۔وزیر اعظم صاحب نے خلف بھی نہیں اُٹھایا تھا کہ کچھ لوگوں نے اُن پر تنقید کے ڈرون حملے شروع کر دیئے تھے۔مجھے نواز شریف صاحب کی اچھائی یا بُرائی کرنے سے کوئی مطلب نہیں بلکہ میں اس وقت عوام کی منتشر ہونے کا ذکر کر رہا ہوں۔اس وقت لوگ پارٹیوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور جب کسی ملک کے

عوام ایک دوسرے سے منتشر ہو جاتے ہیں تو انکی زوال کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ امن وامان تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ دشمن کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے۔

دس سال میں ستر ہزار سے زائد پاکستانی جاں بحق ہو گئے۔ دشمن ہمیں یہ دیکھ کر نہیں مارتے کہ ہم سُنی ہیں، شیعہ ہیں یا دیوبندی ہیں۔ وہ ہمیں اس لئے بھی نہیں مارتے کہ ہم مسلم لیگی ہیں، تحریک انصاف والے ہیں یا کسی اور پارٹی والے، بلکہ وہ ہمیں اس لئے مارتے ہیں کہ ہم پاکستانی ہیں لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ ہم آج تک متحد نہ ہوئے ؟؟

اس سوال کا جواب ہم سب کے پاس ہیں لیکن ہم ماننے کو تیار نہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ کوئی عمران خان صاحب کے گیت گاتے ہیں تو کسی کا دل نواز شریف صاحب کے تعریفوں سے نہیں بھرتا۔ کوئی سُنی کا لفظ سن کر خوشی محسوس کر رہا ہے تو کئی شیعہ ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ کوئی پنجابی، بلوچی اور سندھی کی حیثیت سے سوچتا ہے تو کوئی پٹھان کا لفظ سُن کر اپنے آپکو دوسروں سے الگ تصور کرتا ہے۔ اخر ہم کب تک ایسا کرتے رہینگے اور کب تک اس بیماری میں مبتلا ہوتے رہینگے ؟ کیا علامہ اقبال ایسے لوگوں کے لئے ایک الگ مملکت چاہتا تھا ؟ کیا ہماری بزرگوں نے قربانیاں اپنی پارٹی کو سپورٹ کرنے کے لئے دی تھی ؟؟ اگر نہیں تو ہم آج تک کیوں متحد نہ ہوئے ؟ کیوں یہ بھول گئے کہ اس ملک کو آزاد کرانے میں بہت سے لوگوں نے قربانیاں دی ہیں ؟؟

اگر ہم آج بھی متحد نہ ہوئے تو ہمارا نام مٹ جائے گا۔ دشمن غالب ہو جائے گا اشائد پھر ہماری سمجھ میں یہ بات آ جائیگی کہ آزاد ملک کیا ہوتا ہے اور آزادی کسے کہتے ہیں۔اس سے پہلے کہ ایسا کچھ ہو جائے، ہمیں متحد ہونا ہیں۔اپنا ملک بچانا ہیں اور یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم کسی پارٹی کا نہیں اور نہ ہم منتشر ہیں بلکہ ہم ایک ساتھ ہیں۔ ہم سندھی، پنجابی، بلوچی اور پٹھان نہیں ۔۔۔۔ صرف اور صرف پاکستانی ہیں۔۔۔

بوم بوم آفریدی کا غصہ۔۔۔۔۔

1 مئی 2014 کا دوپہر تھا۔ میں کراچی سے اسلام آباد واپس آ رہا تھا۔ جہاز میں میرے ساتھ ایک آدمی بیٹھا تھا۔ وہ موبائل پر ایک ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ پھر موبائل بند کرکے مجھ سے کہنے لگا کہ شاہد آفریدی بہت مغرور ہے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ اُس نے علی ظفر کو صرف ایک جملہ بولنے پر مسٹر بین اور مائکل جیکسن کہا۔ مجھے ہنسی آئی اور ساتھ میں غصہ بھی آیا۔ میں نے کہا کیا آپ جانتے ہو کہ علی ظفر کون ہے ؟ آس نے نفی میں سر ہلایا تو میں نے اُسے علی ظفر کے بارے میں کچھ بتانا مناسب سمجھا۔ علی ظفر 18 مئی 1980 کو لاہور میں پیدا ہوا۔ وہ ایک اچھا گلوکار تھا۔ سمینا پیرزادہ نے اُسے پہلی بار اپنی تحریر کردہ فلم شرارت میں گانے کا موقع دیا۔ پھر اُس نے اپنا ایک البم نکالا، جس سے اُس کو پورے ملک میں شہرت ملی۔ جب وہ پاکستان میں مشہور ہوا تو بہت جلد بھارت جانا پسند کیا۔ حالانکہ اُسے اپنے ملک کے لئے کچھ کرنا چاہئے تھا۔ بھارت جا کر بالی ووڈ میں قدم رکھا اور تیرے بن لادن فلم سائن کرکے اپنے کیریر کا آغاز کیا۔ میرے ساتھی نے میری بات کاٹی اور پوچھا کہ یہ سب اپنی جگہ مگر شاہد آفریدی کو اس سے کیا کام ؟ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کے بندے، عقل کے اندھے، پہلے مجھے بات مکمل تو کر لینے دو۔ وہ پھر خاموش ہوگیا اور میں

بولتا گیا کہ حال ہی میں ریلیز ہونے والی بھارتی فلم ٹوٹل سیاپا میں علی ظفر نے شاہد آفریدی کے بارے میں ایک ایسا جملہ نکالا تھا جو نہایت فضول قسم کا تھا۔ جملہ کچھ یوں تھا کہ شاہد آفریدی سے تو ہم (پاکستانی) بھی پریشان ہیں۔ اب ایک ایسا شخص جو اپنی ملک سے وفاداری نہیں کر سکتا اور ملک کے ہیرو کے بارے میں بھارتی فلم میں ایسا فضول جملہ استعمال کرتا ہے تو اُسے مسٹر بین اور مائکل جیکسن نہ کہا جاتا تو کیا اُسے ایوارڈ دینا چاہئے تھا؟؟ اُس وقت میرے ساتھی کا سر شرم سے جھک گیا تھا تو مجھے شاہد آفریدی کے کیئریر اور زندگی پر روشنی ڈالنا پڑا۔

شاہد خان آفریدی 1 مارچ 1980 کو خیبر ایجنسی کے شہر کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا پورا نام صاحبزادہ محمد شاہد خان آفریدی ہے۔ 1996 میں کرکٹ کے میدان میں قدم رکھا۔ 2 اکتوبر 1996 میں پہلی بار مشتاق احمد کی جگہ کھیلانے والا آفریدی اپنی دوسری ہی میچ میں لوگوں کے دلوں پر راج کرنے لگا۔ 4 اکتوبر 1996، نیروبی میں سری لنکا کے خلاف صرف 37 گیندوں کی مدد سے 102 رنز بنائے جو ایک منفرد ریکارڈ تھا۔ اُس کے بعد بوم بوم کا دور شروع ہوا۔ بھارتی معروف کرکٹر اور کمینٹیٹر راوی شاستری نے شاہد آفریدی کیلے بوم بوم کے الفاظ استعمال کئے جو اب آفریدی کا دوسرا نام بن چکا ہے۔

بوم بوم آفریدی کا نام سن کر لوگوں کی دلوں کے دھڑکن تیز ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ کرکٹ کو پسند بھی نہیں کرتے، آفریدی کا نام سن کر کرکٹ دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ چھوٹا ہو یا بڑا، جوان ہو یا بوڑھا سب بوم بوم کو ٹیم میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ سترہ سال کے کم عمر میں شاہد آفریدی نے جس طرح شہرت حاصل کیا تھا، شاید کوئی دوسرا اس میں کامیاب ہو جائے۔ کرکٹ کی دنیا میں انٹرٹینمنٹ اور سنسنی خیزی اُنہی کی بدولت پیدا ہوئے ہیں۔ بوم بوم نے ابھی تک 378 ایک روزہ بین الاقوامی میچز میں 116 کے سٹرائک ریٹ اور 23 کے اوسط سے 7619 رنز بنائے جس میں 36 نصف سنچریاں، 6 سنچریاں اور 333 زوردار چھکے اور 378 وکٹیں شامل ہیں۔ ٹیسٹ اور ٹی 20 کرکٹ میں بھی شاہد آفریدی کے نام کئی ریکارڈز آتے ہیں۔

بہترین کرکٹر کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھا مسلمان اور مُحب وطن پاکستانی بھی ہے۔ پانچ وقت کی نماز اور قران کی تلاوت بھی پابندی سے کرتا ہے۔ اتنا شہرت پانے کے باوجود وہ کسی قسم کے الزام سے پاک اور ازاد ہے۔ عرضیکہ بوم بوم آفریدی کرکٹ کی دنیا میں ایک عظیم کھلاڑی، دین کی لحاظ سے ایک سچا اور اچھا مُسلمان، شہرت میں بے مثال اور گھر میں ایک بہترین بیٹا اور باپ۔۔۔۔۔ اب ایسا شخص جو ہر لحاظ سے دوسروں کے لئے ایک نمونہ ہے، کوئی ان کے بارے میں ایسے فضول الفاظ استعمال کرے تو اُس پر غصہ کرنا کوئی غیر اخلاقی کام تو

نہیں ہے۔۔۔ ہمیں پاکستان کا ہر شخص اور ہر ہیرو دل سے زیادہ عزیز ہیں۔ کوئی ان کے بارے میں کچھ اُلٹا سیدھا کہے تو اُس کے خلاف ایکشن لینا چاہیے اور معاشرے میں اُسے بُری نگاہ سے دیکھنا چاہیے تاکہ پھر سے کوئی ایسا غیر اخلاقی حرکت کرنے کی جرات نہ کر سکے۔۔۔۔

امت مسلمہ کی تنزل وانتشار کا باعث، دین اسلام سے روگردانی

آج کی افراتفری اور انتشار کی دور سے نظریں ہٹا کر ساڑے چودہ سو سال پیچھے لوٹ جائے۔تاریخ کی صفات کنگالیں اور دیکھیں کہ دُنیا میں مسلمانوں کا کیا حال تھا۔ میری مراد اُس دور سے ہے جس دور میں کائینات کے مقدس ترین انسان کو رحمت العالمین بنا کر بھیج دیا گیا۔آپؐ نے قران کی صورت میں انسانیت کا دستور دیا اور راہ زندگی کا نور دیا۔قران کی انقلابی تعلیمات نے انقلاب برپا کر دیا اور ایسا انقلاب کہ دنیا اس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ قران کی تعلیمات نے شہروگاوں بدل ڈالے، معیشت بدل ڈالی، معاشرہ بدل ڈالا، ڈاکو محافظ بن گئے۔ لٹھرے نگہبان بن گئے۔ عرب کے چرواہے زمانے کے مقداء اور رہنما بن گئے۔جو زرہ تھا وہ گروہ بن گیا، جو قطرہ تھا وہ دریا بن گیا، جو پیاسا تھا وہ ساقی بن گیا، ابوبکرؓ، صدیق بن گیا، عمرؓ، فاروق بن گیا اور علیؓ، حیدر کرار بن گیا۔ یہ سب کچھ کیسے اور کیونکر ہوا؟ یہ اقلاب کیسے آیا؟؟؟ یہ انقلاب حضورؐ کے تعلیمات اور اسلامی اُصولوں پر عمل پیرا ہونے سے آیا۔ یہ تغیر قران کو اپنا رہنما اور مقتداء ہونے سے پیدا ہوا۔

اُس دور کے مسلمان اس لئے معزز تھے کہ ان میں جہاد کا جذبہ تھا۔ اللہ پر

پُختہ یقین تھا۔ ان کے درمیان اتحاد واتفاق قائم تھا۔ لیکن آج ہم مسلمانوں میں جہاد کا وہ جذبہ نہ رہا جس جذبے کی خاطر طارق بن زیاد نے اُندلس میں کشتیاں جلائی تھی۔ جس جذبے سے سرشار ہو کر محمد بن قاسم نے راجہ داہر کی اینٹ سے اینٹ بجایا تھا اور خالد بن ولید نے شہادت کی آرزو کی تھی۔ آج ہم میں وہ ایمان نہ رہا جسکی بدولت ابراہیمؑ آتش مرود میں کھودا تھااور اسماعیلؑ ذبح ہونے کے لئے تیار ہوئے تھے۔ آج ہم وہ یقین نہ رہا جس یقین کی خاطر حضرت سعد بن ابی وقاص نے دریا میں گھوڑے دوڑائے تھے۔

ہم مسلمان پہلے کیا تھے اور اب کیا ہوگئے ہیں۔ پہلے ہم خیرالامم تھے لیکن آج ارذل الامم بن گئے ہیں۔ پہلے ہم اشرف المخلوقات تھے لیکن آج بدترین ہوگئے ہیں۔ پہلے ہم جن قوموں پر رُعب جماتے تھے، آج اُن کے سامنے عاجزی وذلت سے گٹھنے ٹھیک دیئے ہیں۔ جن سے خراج لیتے تھے، اُن سے بھیگ مانگتے ہیں۔ جن کے سر جُھکائے تھے، آج اُن کے قلم ہمارے قسمتوں کے فیصلے کرتے ہیں۔ عالم اسلام خود غرضی کی ہنگامہ آرائیوں میں مُبتلا ہے، مغرب نواری نے اسلامی برادری کا خاتمہ کر ڈالا ہے۔ اسلامی ذہنیت میں افسوس ناک تبدیلی پیدا ہو گئی ہے، سیاسی ومذہبی فرقہ بندیوں اور اختلافات نے مسلمان قوم کا شیرازہ پر آگندہ کر دیا ہے۔

آج کے مسلمان کا ایمان دُرست نہیں۔ خُدا کے خالص کلمہ طیبہ کا اقرار مُنہ اور زبان سے تو کرتے ہیں مگر دل سے اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ نماز وروزہ ریاکاری کا ہے۔ زکواۃ کا یہ حال ہے کہ چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے اور حج تو صرف حاجی صاحب کہلانے کے لئے ۔۔۔۔۔۔۔۔ عرض یہ کہ اسلامی احکام کے ہماری برادری میں نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ اس لئے جہاں بھی دیکھوں، مسلمان پر ظلم وستم ہو رہا ہے۔ اُن کی عزت کو پامال کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے ٹھیک کہا تھا کہ

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قران ہو کر

اگر ہم مسلمان ریاکاری کو اپنے دل سے نکال دیں، قران کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائے، اپنے اندر ابوبکرؓ کی صدق، عمرؓ کی بہادری اور حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت جیسی خوبیاں پیدا کریں تو پھر دنیا کا کوئی طاغوتی قوت ہمیں اپنے پنجرے میں بند نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہمیں کوئی شکست دے سکتا ہے۔ پھر ہم ساری دنیا پر غالب آ سکتے ہیں اور اسلام کا پرچم ہر جگہ سجا سکتے ہیں۔۔۔۔۔

حکیم الامت کی حکیمانہ باتیں اور ہم جیسے کوتاہ نظر

تاریخ کے اوراق پر سُنہری الفاظ سے یاد کیا جانے والے شخص کو میں کن کن زاویوں سے یاد کروں؟ اُن کی دانشوری پر بحث کروں کہ ان کی فلسفیانہ سوچ پر روشنی ڈالوں؟ ان کی عظمت کا ذکر کروں کہ انکی سادہ زندگی کے قصے سُناوں؟ان کی حکیمانہ باتوں پر تبصرہ کروں یا ان کے دل میں مسلمانوں کا کھویا ہوا مقام واپس لانے کی آرزو کو خراج تحسین پیش کروں؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ شروع کروں تو کہاں سے۔۔۔۔۔

حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ 9 نومبر 1877 کو برطانوی ہندوستان کے شہر سیالکوٹ (موجودہ پاکستانی شہر۔ سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ بیسوی صدی کے عظیم شاعر اور مُفکر کی فلسفیانہ سوچ اور حکیمانہ باتوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

پروفیسر محمد علی عثمان کہتے ہیں کہ کسی نے اقبال کی شاعری میں فلسفے کو پایا تو اس نے فلسفی شاعر کا خطاب دیا۔ کسی نے آپ کے اشعار میں قرآن عظیم الشان کے آیات کی تفسیر پائی تو اس نے اقبال کو قرآن کے عظیم خطاب سے

نوازا۔ کسی اور کو آپ کے خطبات میں مسلمانوں کیلئے جداگانہ ریاست کا تصور نظر آیا تو اس نے آپ کو مُفکر پاکستان کہا۔اقبال کو خود ہی اپنی اہمیت کا اور اپنی شاعری کا تا ابد زندہ رہنے کا احساس تھا۔آپ جانتے تھے کہ اگر نطشے، گوئٹے، ملٹن اور شیکسپیئر مغرب کے نمائیندہ شعراء تھے اور اُن کو مغرب میں ایک بلند مقام حاصل تھا تو وہی رتبہ علامہ اقبال کو ملا تھا۔اگر مغرب میں کوئی نطشے اور شیکسپیئر کو پرستش کی حد تک چاہتا تھا تو مشرق میں ایسے لوگ تھے جو اقبال کا پوجا کی حد تک احترام کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ اقبال نے اپنے آپ کو شاعر مشرق گردانا۔

مصور پاکستان نے اپنی شاعری میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ خودی پر زور دیا ہے۔اُن کی شاعری میں قرآن مجید کے آیات کی تفسیر ہے اور ان کے خطبات میں مسلمانوں کے لئے جُداگانہ ریاست کا تصور اور رزق حلال کی تلقین ہے۔ان کے خیال میں محنت سے دُنیا کی ہر چیز کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔آج کے دور میں پاکستان جس بدترین لعنت کا شکار ہے وہ رشوت خوری ہے۔ہر جگہ رشوت کے بغیر کام کروانا نا ممکن نظر آتا ہے۔کوئی یہ نہیں سوچتا کہ رزق حلال ہی انسان کی دائمی زندگی میں اس کی نجات کا باعث بنے گا۔

اقبال صحیح معنوی میں اسلامی نظام کے حامی تھے اور ان کے خیال میں مذہب کے

بغیر سلطنت کا تصور ممکن نہیں تھا۔ وہ حصول پاکستان اس لئے چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات ملے اور ایک ایسا مملکت کا قیام چاہتا تھا جہاں مسلمان اپنی زندگی اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق بسر کرسکے۔ وہ مسلمانوں کو شاہین کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مگر اُسے کیا پتہ تھا کہ پاکستان بننے کے بعد بھی نہ تو صحیح معنوی میں اسلامی قانون ہوگا، نہ ہی مسلمان اسلامی اُصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کریگا اور نہ انگریزوں کی غلامی سے نجات ملے گی۔

اقبال مسلمانوں میں خودی وخوداعتمادی، عزت نفس اور جہاں بانی کا ولولہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے اپنے آباواجداد کے کارناموں کو بار بار دُھرانے، اُس پر فخر کرنے اور خود کچھ نہ کرنے سے مُخالفت رکھتا تھا۔ اُن کی شاعری میں نہ صرف شکوہ تھا بلکہ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اسکا حل بھی نظر آتا ہے۔ اُس نے نہ صرف مسلمان نوجوانوں کو بیدار کرنے کے لئے نظمیں لکھی بلکہ اس نے بچوں میں اچھی اچھی عادتیں پیدا کرنے کیلئے بھی پیاری پیاری نظمیں لکھیں۔

آج کل اقبال کا پاکستان دھماکوں کے آواز میں دفن ہے۔ دن بدن جرائم میں اضافے کی وجہ سے لوگوں کا گھروں سے نکلنا مشکل ہوگیا ہے۔ اقبال نے جن لوگوں کو

شاہین کا خطاب دیا تھا آج انہوں نے کرگس کا روپ دھار لیا ہے۔ تو تو اور میں میں کی وجہ سے لوگوں میں انتشار اور مایوسی پیدا ہو چکی ہے۔ پارٹی بازی کی وجہ سے ہم میں فاصلے بڑھتی گئی ہیں۔ اپنا اصلاح کرنے کی بجائے دوسروں پر تنقید کرنا ہم اپنا اولین فرض سمجھنے لگے ہیں۔ کیا علامہ اقبال ایسا پاکستان چاہتا تھا؟ کیا اُس نے ایسے لوگوں کیلئے دن رات محنت کی تھی ؟؟؟؟ ہر گز نہیں۔۔۔ اقبال ایسا پاکستان بُرے خواب میں بھی نہیں چاہتا تھا۔۔۔

اگر اہم پاکستانی قوم اپنی خودی کی حفاظت وپرورش کرسکے، اپنی زندگی کو جہد مسلسل سے تعبیر کرسکے، اپنے آپکو شب بیداری کی لزت سے آشنا کرسکے تو ممکن ہے کہ ہم ایک کامل قوم کا روپ دھارلیں گے۔۔ پاکستان جب تک اقبال کا شاہین نہیں بنے گا، پاکستان کا تصویر ہی مکمل نہیں ہوگی۔۔۔

کپتان کیا چاہتا ہے؟

ڈاکٹر محمد طاہر القادری 19 فروری 1951 کو پیدا ہوئے۔آپ تحریک منہاج القران کے بانی رہنما ہیں۔ 25 مئی 1989 میں انہوں نے پاکستان عوامی تحریک کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنائی۔ جنوری 2013 میں اس نے ڈی چوک اسلام آباد میں زرداری حکومت کے خلاف کچھ مطالبات کی بنا پر لانگ مارچ کیا۔ان کا کہنا تھا کہ ہمارا پہلا مطالبہ موجودہ الیکشن کمیشن کو تحلیل کرکے تشکیل نو کی جائے۔غیر سیاسی نگران حکومت قائم کی جائے ،الیکشن آرٹیکل 62، 63 اور 218 کے تحت کرائے جائیں۔ اس کے بعد 11 مئی 2013 کا الیکشن ہوا اور ن لیگ نے کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت آتے ہی کچھ سیاسی لوگوں نے ان کے راستے میں روکاوٹیں ڈالنا شروع کئے۔الیکشن کے دوسرے دن ہی سے لوگوں نے نواز شریف صاحب اور مسلیم لیگ (ن) پر تنقید کے ڈرون شروع کئے۔ابھی اس نے حلف بھی نہیں اُٹھایا کہ دھرنوں اور جلسوں کی دھمکیاں ملنا شروع ہوگئے۔

آج کل ہمارا پیارا ملک جس مشکل خالات سے گُزر رہا ہے شاید اس کا اندازہ

عوام اور سیاسی پارٹیاں لگا سکتے ہیں۔اس نازک صورتحال میں کسی قسم کے جلسوں اور دھروں سے انتشار پھیلانا ملک کے لئے منفی اثرات پیدا کر سکتے ہیں۔پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے 11 مئی کو انتخابی دھاندلی، مہنگائی اور ملک میں جاری کرپشن (بقول خان صاحب کے) کے خلاف اسلام آباد کے حساس علاقے ڈی چوک میں جلسے کا اعلان کیا۔وزیراعظم نواز شریف نے خان صاحب کو احتجاج کی بجائے ملاقات کی دعوت دیتے ہوئے کہا ہے کہ احتجاج کا کوئی جواز نہیں بنتا۔کیا احتجاج پاکستان کی تیز رفتار ترقی اور خوشحالی کے خلاف ہے؟ بجلی کی کمی پورا کیا جارہا ہے، اس کے خلاف ہے؟ڈالر سستا ہوا، اس کے خلاف ہے یا کرپشن ختم ہو گئی، اس کے خلاف ہے؟وزیراعلی پنجاب شہباز شریف کا کہنا ہے کہ مسلیم لیگ (ن)کے مرکزی اور صوبائی حکومت پر ایک دھیلے کی کرپشن کا ثبوت سامنے آئیں تو اسی وقت استعفی دیکر گھر چلا جاوں گا۔۔۔۔ ماضی میں کسی بھی حکومت نے بجلی کے مسئلے پر توجہ نہیں دی، یہ تو خان صاحب بھی جانتے ہیں کہ بجلی کا مسئلہ ایک سال میں حل نہیں ہو سکتا اور نہ مہنگائی پر اتنی کم مُدت میں قابو پا سکتا ہے۔

جب خان صاحب کو وزیراعظم کی طرف سے بیٹھ کر مذاکرات کی دعوت دی گئی تو خان صاحب نے کہا کہ وزیراعظم دعوتیں دینے کے بجائے عوامی مسائیل حل کرنے پر

توجہ دیں یہی ان کے لئے بہتر ہے۔انتخابی دھاندلی، مہنگائی اور ملک میں جاری کرپشن کے خلاف ہر صورت میں جلسہ کیا جائیگا۔۔۔جب خان صاحب کو مذاکرات کی دعوت دیئے جا رہے ہیں تو پھر جلسے کا کیا مطلب؟؟؟؟؟؟

خان صاحب شائد بھول گئے ہیں کہ اس نے اسی الیکشن کو تسلیم کیا تھا اور ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ پاکستان تحریک انصاف ملک کے وسیع تر مفاد میں ان الیکشن کو قبول کرتا ہے۔اگر پھر بھی خان صاحب اس الیکشن کے خلاف ہے تو وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ کے پی کے حکومت بھی اسی الیکشن کا حصہ ہے۔خان صاحب بار بار کرپشن اور مہنگائی کی بات کرتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ نہ تو مہنگائی اس حکومت سے شروع ہوئی اور نہ اس کے پاس وفاقی حکومت کے خلاف کرپشن کا کوئی ثبوت ہے۔۔۔

ملک کو درپیش مسائیل کا حل قومی اسمبلی میں ممکن ہیں۔اگر سب سیاسی رہنما صرف اور صرف پاکستان کی ترقی اور استحکام کے لئے سوچے اور کام کریں تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ وہاں کوئی بھی پاکستان کے لئے نہیں سوچتا۔ورنہ آج ہمارے پیارے ملک کا یہی حال ہر گز نہ ہوتا۔اگر جلسوں اور دھرنوں سے تبدیلی آسکتی ہے تو پھر خان صاحب کو ہر جگہ جلسے اور دھرنے دینی چاہئے۔یہ بات صاف ہے کہ خان صاحب کا جلسہ بغیر کسی مثبت نتیجہ پر ختم

ہوجائے گا اور بات پھر مذاکرات کی طرف آ ئیگی جبکہ خان صاحب کو جلسہ سے پہلے
مذاکرات کی پیشکش دی گئی ہے۔۔۔۔۔

عافیہ صدیقی کیس اور ہمارا کردار۔۔۔۔۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ستمبر 2010 میں نیویارک کی عدالت نے افغانستان میں خراست کے دوران امریکی فوجیوں پر حملے کی الزام میں 86 سال قید کی سزا سنائی تھی۔اس نے اپنی سزا کے خلاف نومبر 2012 میں فیڈرل کورٹ میں درخواست دائر کی تھی لیکن عدالت نے سزا برقرار رکھتے ہوئے ان کی درخواست خارج کر دی تھی۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے گُزشتہ روز 86 سال کی سزا کے خلاف ایک بار پھر امریکہ کے فیڈرل کورٹ میں درخوارست دائر کردی۔عافیہ صدیقی کی جانب سے درخواست میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ 2010 میں 86 سال کی سزا سناتے وقت انہیں مناسب قانونی نمائیندگی نہیں دی گئی تھی اور جج نے انہیں پاکستانی حکومت کی جانب سے نامزد کردہ تین وکیلوں کو قبول کرنے کے لئے مجبور کیا تھا۔لہٰذا میری سزا کو کالعدم قرار دیا جائے۔عافیہ صدیقی کا بیان دیکھ کر مجھے احمد کی کہانی یاد آ گئی۔بچپن ہی سے میں اور احمد ایک ساتھ عشاء کی نماز کیلئے اکھٹے جاتے تھے۔دن میں ہم اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے،اس لئے ہم صرف رات کو مسجد میں ملتے تھے۔حسب معمول ایک دن میں نماز کیلئے گیا لیکن اس دن احمد غیر حاضر تھا۔میں انتظار کر رہا تھا کہ شائد وہ آئے مگر وہ نہ آیا۔مجھ سے رہا

نہ گیا اور اس کے گھر جانا پسند کیا۔ گھر پہنچتے ہی پتہ چلا کہ اس کی بہن بیمار تھی اور ڈاکٹر صاحب کسی کام کے سلسلے میں شہر گیا تھا اور رات شہر ہی میں گُزارے گا۔ سب گھر والے بہت پریشان تھے۔ اسکی ماں، بھائی اور بہنیں، اپنی بہن کی تکلیف کو برداشت نہ کرتے ہوئے رو رہے تھے۔ اسکی باپ کا یہ حال تھا کہ پریشانی اور دُکھ سے آنکھیں سُرخ تھے۔ نیند کا کوئی نام نہیں لے رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ انہیں نیند کے لئے راضی کروں مگر بے سود۔۔ میں گھر گیا، رات باہر گزارنے کی اجازت لی اور واپس احمد کے گھر آیا۔ چاروں طرف مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ آخرکار خدا خدا کرکے صبح ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب بھی واپس آگیا تھا۔ میں نے اسے بُلایا۔ ڈاکٹر صاحب نے مریض کا معائنہ کیا اور اسے انجکشن لگایا، آرام کرنے کو کہا اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں اُسے آرام نصیب ہوگیا۔ سارے گھر والے بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالی کا شکریہ ادا کرتے رہے۔ سب کو آرام آگیا اور میری آنکھیں بھی شب بیداری کی وجہ سے سُرخ ہو رہی تھی۔ میں نے بھی گھر جاکر آرام کرنے کو ترجیح دی۔ اس روز میں سمجھ گیا کہ اگر ایک گھر میں کسی بھی فرد پر اگر تکلیف ہو تو درد باقی سب گھر والے بھی محسوس کرتے ہیں۔۔۔

اسی طرح پاکستان کا مثال بھی ہمارے گھر جیسا ہے۔ اگر یہاں کوئی شخص پر کوئی تکلیف ہو تو درد باقی سارے لوگوں کو بھی محسوس ہونا چاہیے، لیکن افسوس کہ

ہماری بہن ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکہ جیل میں تقریباگیارہ سال اور دو مہینے ہوگئے مگرآج تک ان کا درد کسی کو محسوس نہیں ہوا۔ان پر طرح طرح کے مظالم کئے جارہے ہیں، ان کو قران پر چلنے کیلئے مجبورکیا جارہاہے اور ان کے ساتھ جانوروں کی طرح سلوک کیا جارہاہے۔ایک عافیہ صدیقی ہے جو بغیر کسی جرم کے سزاکاٹ رہی ہے اور ایک ریمنڈوس ہے جو بہت کچھ کرنے کے باوجود رہائی حاصل کرتا ہے، ایک الگ کہانی ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ عافیہ صدیقی خود ہی اپنی مقدمہ کیلئے درخواست دائر کرتی ہے۔ایک فوزیہ صدیقی ہے جو عافیہ صدیقی کی رہائی کیلئے ہر ممکن کوشش کرتی ہے اور ایک ہمارے سیاستدان حاحبان ہیں جو اپنی کرسی اور حکومت کیلئے تو بہت کچھ کرتے ہیں مگرجب بات پاکستان کی بیٹی اوران کی رہائی کی کیس پر آجاتی ہے تو کوشش کرنے کی جھوٹے وعدوں پر اکتفا کرتے ہیں۔کوئی یہ تو بتادیں کہ یہ کیسا کوشش ہے جو گیارہ سال میں بھی کوئی رنگ نہیں لاتا؟؟؟کیا عافیہ صدیقی، پاکستان کی بیٹی نہیں ہے؟کیا وہ عوام اور سیاستدانوں کی بہن اور بیٹی نہیں ہے؟کیا وہ صرف فوزیہ صدیقی کی بہن ہے ؟ ؟کیا عافیہ کا اس ملک سے کوئی تعلق نہیں ہے ؟اگر ہے تو اس کی کیس کو سنگینی سے کیوں نہیں لیا جاسکتا؟افسوس کی بات تو یہ ہے کہ کسی کو اپنی کرسی سے فرصت نہیں ملتا تو کسی کادل دھرنوں اور جلسوں سے نہیں بھرتا۔

کاش عافیہ صدیقی احمد کی بہن ہوتی، جسے تب تک آرام نہیں ملتاجب تک اس کی

بہن کو آرام نہ ملے۔کاش عافیہ صدیقی وفاقی حکومت کے میٹرو بس کا منصوبہ ہوتا، جسے کرنے کیلئے انہیں صرف ایک سال کا وقت چاہیے۔کاش عافیہ صدیقی، عمران خان کی دھاندلی کی آواز ہوتی جس کے لئے اسلام آباد کا ڈی چوک ہزاروں لوگوں سے بھرا ہوتا۔۔۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب قانون کے دائرے میں اپنی بہن کے لئے آواز اُٹھائیں اور حکمرانوں کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہمیں ہماری بہن واپس لائے۔عافیہ صدیقی پاکستان کی عزت ہے اور پاکستان کی عزت ہم سب کی عزت۔۔۔۔۔۔۔

شیخ رشید احمد صاحب کی سیاست۔۔۔

آج کل ہمارا پیارا ملک پاکستان دہشت گردی، دھرنوں، جلسوں اور تنقید میں دفن ہے۔مایوسی کی ہوائیں چاروں اطراف سے چل رہی ہیں۔کئی لوگوں نے اس طوفان میں اپنی آنکھوں کو بند کرکے، ہاتھوں کو پھیلا کر اس سے لُطف آندوز ہو رہے ہیں تو کسی کو اس طوفان سے ڈر لگتا ہے اور اُسے قابو میں لانے کی کوشش کر رہا ہے۔11 مئی کو عمران خان نے ڈی چوک اسلام آباد میں مہنگائی، لوڈشیڈنگ اور عام انتخابات میں دھاندلی (بقول اُن کے) کے خلاف ایک جلسہ کیا تھا۔یہ ایک الگ ایشو ہے لیکن میں اس جلسہ میں جس کا کردار نمایاں ہے، کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔اس جلسہ میں جن سیاسی لوگوں نے حصہ لیا اُن میں ایک نام شیخ رشید احمد صاحب کا بھی آتا ہے۔

شیخ رشید احمد کی زندگی اور سیاسی کاکردگی کی تعریف کرنا شائد سورج کو چراغ دکھانے کے مُترادف ہے۔شیخ صاحب کو جب بھی کوئی وزارت ملی تو انہوں نے اسے بخوبی انجام دیا۔اس نے اپنے دور میں جتنے کام کئے شائد کسی اور نے کی ہوگی۔شیخ صاحب نے ڈی چوک جلسہ کے بعد میڈیا کے سامنے جو باتیں کہی اُسے میں اپنی الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔

اگر چار نشستوں میں سے ایک نشست پر بھی دھاندلی ثابت ہو جاتی ہے تو پھر حکومت کے رہنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں۔ مسلیم لیگ (ن) اور پی پی پی کے علاوہ وہ باقی ساری پاٹیوں کو ملانا چاہتے ہیں۔ اسکا کہنا ہے کہ پی ایم ایل این اور پی پی پی ایک سکے کے دو روح ہیں۔ وہ کہی پر بھی دھاندلی ثابت ہونے کی صورت میں جمہوریت کو بچانے کیلئے مڈ ٹرم الیکشن پر زور دیں رہے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ جمہوریت کو بچانے کے لئے مڈ ٹرم الیکشن حقیقی حل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس ملک کو جتنی بجلی کی ضرورت ہے، ہم مہیا کر سکتے ہیں۔ شیخ صاحب نے حکومت کو بہو سے مشابہت دیکر کہا ہیں کہ جس بہو کا گھر بسنا ہو وہ چھ مہینوں میں بس جاتا ہے، مگر وہ عمران خان کا ساتھ دیتے ہوئے بھی کے پی کے کی بہو کا ایک سال پورا ہونے کے بعد بھی گھر نہ بسنے پر ناراض ہیں۔ ان کا نعرہ اسلام، پاکستان اور غریب عوام کا ہے۔

لوگوں کا ماننا ہے کہ ان میں بہت سی مطالبات درست ہیں لیکن ٹائم ٹھیک نہیں ہے۔ اور شائد اس بات کا علم شیخ صاحب کو بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر شیخ صاحب واقعی غریب عوام کے بارے میں سوچتے ہیں تو بجلی پیدا کرنے کا حل جو ان کے پاس ہیں تو وفاقی حکومت کو کیوں بتانا نہیں چاہتے کیونکہ اس سے تو عوام کا مسلہ حل ہو جائے گا اور شیخ صاحب بھی یہی چاہتے ہیں۔ کیا ہوا کہ حکومت پی

ایم ایل این کا ہو یا کسی اور کا۔۔۔مڈ ٹرم الیکشن کا ذکر بار بار کیا جا رہا ہے لیکن کوئی عوام کو یہ بھی بتائے کہ مڈ ٹرم الیکشن سے ملک اور عوام پر کیا اثر پڑیگا۔۔۔۔

اب دوسری ایشو کی طرف آتا ہوں جو نہایت نازک اور اہم ایشو ہے۔ وہ یہ کہ الیکشن سے پہلے بھی اور الیکشن کے بعد بھی شیخ صاحب کے جتنے بیانات، انٹرویوز اور ٹاک شوز ہوتے ہیں، ان میں تقریبا 80 فیصد عمران خان صاحب اور پی ٹی آئی پر بات ہوتی ہے، حالانکہ شیخ صاحب خود ایک بہت بڑا اور مانا ہوا سیاستدان اور لیڈر ہیں۔اگر مستقبل میں بھی اس طرح ہوتا رہے گا تو شیخ صاحب کی پارٹی کا کیا ہوگا؟؟؟ جن لوگوں نے شیخ صاحب کو کامیاب کیا، انہوں نے صرف اُس کو اور اسکی پارٹی کو کامیاب کیا نہ کہ عمران خان صاحب اور پی ٹی آئی کو۔۔۔۔ اگر پی ٹی آئی کا کوئی ایم این اے یا ایم پی اے، شیخ صاحب یا ان کی پارٹی پر بات کر بھی لیں تو اُسی پی ٹی آئی کی اور بھی بہت ایم این ایز اور ایم پی ایز ہیں جو عمران خان صاحب اور پاکستان تحریک انصاف پر بحث کر سکے گا۔ مگر جب شیخ صاحب اپنا وقت کسی دوسری پارٹی کو دیتے ہیں تو پھر اُس کی پارٹی پر کون بحث کریگا۔۔۔ شائد کوئی نہیں۔۔۔

شیخ رشید صاحب کہتے ہیں کہ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ آپ سے سیاست میں سب سے

بڑی غلطی کیا ہوئی تو موصوف کا کہنا تھا کہ مجھے آج بھی شرمندگی ہے کہ جب لال مسجد کا واقعہ ہوا اور میں نے استعفی نہیں دیا۔ مجھے لال مسجد کے واقعہ کے بعد مُستعفی ہونا چاہئے تھا۔ یہ تھی شیخ رشید صاحب کی پہلی اور بڑی غلطی۔۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شیخ صاحب اس کے بعد کوئی دوسری غلطی تو نہیں کر رہے ہیں۔ شیخ صاحب کو اپنی پارٹی کے بارے میں سوچنا چاہئے اور ان عوام کے لئے جن کیلئے وہ پہلے سے سوچتا آ رہا ہے۔۔۔۔اللہ تعالیٰ وہ کرے جس میں شیخ صاحب ، اس کی پارٹی اور پورے ملک کو فائدہ ہو۔۔۔۔۔۔

نواز شریف و شہباز شریف، توتو میں میں اور منصوبے

11 مئی 2013، پاکستان میں ہونے والے عام انتخابات کی ایک سال اور کئی دن گزر گئے۔اس ایک سال سے پاکستان کئی چیلنجوں کا سامنا کر رہا ہے۔توتو اور میں میں کی پرانی کہانی اپنی جگہ لیکن کچھ لوگوں نے درپیش چیلنجوں کا سامنا کرتے ہوئے ملک کو آگے لے جانے میں نمایاں کردار ادا کیا اور کر رہے ہیں۔جی ہاں ! میں وزیراعظم صاحب اور شہباز شریف صاحب کا ذکر کر رہا ہوں۔اس ایک سال میں انہوں نے بہت منصوبوں پر کام شروع کیا اور کر رہے ہے۔آج کل میٹرو ٹرین منصوبے کا ذکر زور و شور پر ہے۔بہت سارے لوگ اس منصوبہ سے خوش ہیں اور کئی لوگوں کو اعتراض ہے۔یہ پہلا منصوبہ نہیں ہے جو لوگ تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔اس پہلے بھی کئی اور منصوبوں پر لوگ تنقید کر چکے ہیں۔3G اور 4G ٹیکنالوجی کا ذکر آتا ہے تو کئی لوگ اور سیاستدانان اُسے فحاشی کہنا شروع کیا۔میٹرو ٹرین کا منصوبہ پیش ہوتا ہے تو بھی فضول خرچی کا نام دیکر اُس کی مخالفت کرنے جارہے ہیں۔کبھی بھی کسی نے مثبت سوچ سے اُن کی منصوبہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔کئی لوگ وفاق کے ہر کام اور ہر منصوبہ کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔لوگوں کی باتیں اور تنقید سُن کر مجھے ایک کہانی یاد آجاتی ہے۔شائد سب نے سُنی ہوگی مگر پھر بھی میں یہاں اس کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔کہتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے

گدھے کو بھیجنے شہر کی طرف جارہا تھا۔دونوں باپ، بیٹا آپس میں باتیں کرنے جارہے تھے اور ساتھ میں گدھا بھی چل رہا تھا۔چلتے چلتے اُن کو راستے میں کچھ لڑکیاں نظر آئے جو اُن کی طرف دیکھ کر اشارہ کرکے ہنس ہنس کر کہہ رہی تھی کہ یہ دیکھو کتنے بے وقوف ہیں دونوں، گدھا آرام سے چلاجارہا ہے اور یہ گرمی دھوپ میں پیدل جارہے ہیں۔ دونوں میں سے ایک ہی گدھے پر بیٹھ ہی سکتا ہے۔یہ سُنتے ہی باپ نے اپنے بیٹے کو گدھے پر بیٹھا دیااور خود ساتھ ساتھ چل پڑا۔کچھ دیر گئے ہونگے کہ راستے میں ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا، دیکھو کتنا بُرا زمانہ آگیا ہے، جوان بیٹا خود تو گدھے پر سوار ہے اور بوڑھا باپ گرمی میں پیدل چل رہا ہے۔یہ سُن کر باپ نے بیٹے کو گدھے سے اُتاراور خود سوار ہوگیا۔کچھ دیر بعد سامنے سے عورتیں آتی نظر آئی۔اُن میں سے ایک بولی، باپ تو آرام سے گدھے پر بیٹھا ہوا ہے اور بے چارہ بیٹا گرمی میں پیدل جارہا ہے، حالانکہ گدھا اتنا تندرست ہے کہ یہ دونوں اس پر سوار ہو سکتے ہیں۔یہ سن کر باپ نے بیٹے کو بھی سوار کیا۔اس دفعہ ایک آدمی نے اُسے روک کر کہا کہ اس بے چارہ گدھے پر اس دھوپ میں تم دونوں سوار ہو۔ یہ ظلم نہ کرظالموں۔۔۔۔یہ سن کر دونوں باپ بیٹا گدھے سے اُتر کر ایک رسی کے ساتھ ایک موٹی ڈنڈے پر گدھے کو باندھ کراور ڈنڈہ ڈھولی کرتے ہوئے چلے گئے۔چلتے چلتے جب دونوں ایک پُل تک پہنچ گئے تو لوگ ہنستے ہوئے کہنے لگے کہ دو بے وقوف گدھے کو کیسے لے جارہے ہیں۔۔۔۔ یہ باتیں سن کر دونوں پریشان ہوگئے۔ جلدی

جلدی گدھے کی رسی کو کھولنے لگے۔ اتنے میں گدھا بھی بدمعاش ہوگیا اور جوش میں آکر دریا میں گرا اور ڈوب گیا۔۔۔۔۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وزیراعظم کو کسی کی باتوں کا پروا نہیں کرنی چاہیے اور شائد وہ ایسا ہی کر رہا ہے۔ اس لئے تو ملک میں ترقیاتی کام تیزی سے جاری ہے۔ وفاقی اور پنجاب حکومت کا ذکر میں کن کن زاویوں سے کروں۔ ملک میں 3G اور 4G ٹیکنالوجی سے شروع کروں کہ چین کی مدد سے ریلوے ٹریک بچھانے سے شروع کروں۔ زرمبادلہ کے ذخائر 11 ارب 75 کروڑ ڈالر کی سطح پہنچنے کے بارے میں کچھ کہوں کہ پاک چین اکنامک ریڈور پر کام کرنے کے بارے میں کچھ کہوں۔ PIA کے چار سال بعد منافع کمانے کا بحث کروں کہ راولپنڈی، اسلام آباد میں میٹرو منصوبے کی آغاز پر۔۔ ملک میں پیدا ہونے والے مشکلات کا مقابلہ کرنے پر خراج تحسین پیش کروں کہ 1000 میگا واٹ بجلی منصوبوں کے افتتاح پر انگشتہ بدنداں ہو جاؤں۔۔۔۔۔

اگر ایک سال کی حکومت میں، جو کافی مشکلات کا شکار ہونے کے باوجود بھی ملک میں اتنے کام ہو سکتے ہیں تو ذرا سوچئے کہ پانچ سال مکمل ہونے پر پاکستان کہاں سے کہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت ملک کو بچانے اور ترقی کرنے کیلئے مثبت سوچ سے کام لینا ہوگا تاکہ ملک اسی طرح ترقی کرے جیسا کہ ایک سال سے

کرتا آ رہا ہے۔۔اللہ تعالی پاکستان کو ترقی دیں اور اُسے امن کا گہوارہ بنا دیں۔ آمین

یوم تکبیر اور ہمارا کردار

آج سے سولہ سال پہلے 28 مئی 1998 کو ہمارا پیارا ملک پاکستان دنیا کا ساتواں ایٹمی ملک بنا۔ بھارت کے 5 پانچ ایٹمی دھماکوں کے مقابلے میں چاغی کے پہاڑوں میں پاکستان نے 7 ایٹمی دھماکے کرکے بھارت کو منہ توڑ جواب دیا اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا۔ پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کی 16 ویں سالگرہ ہر سال کی طرح اس سال بھی پورے جوش وخروش سے منایا جائے گا۔ ملک بھر میں خصوصی تقاریریں، سیمینارز اور کانفرنسز، جلوس اور ریلیوں کا اہتمام کیا جائے گا۔ مقررین ایٹمی دھماکوں کے تناظر میں محسن ملک و قوم ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ڈاکٹر ثمر مبارک مند، ذوالفقار علی بھٹو اور وزیراعظم میاں نواز شریف صاحب کے کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے خدمات کوئی نہیں بھول سکتا اور اُس پر اتنا بحث ہوا ہے کہ ہر کوئی اس کے کارناموں سے واقف ہو چکا ہے۔ میں ایک اور ایٹمی سائنسدان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کے خدمات اور کارنامے بھی بھولنے کی قابل نہیں ہیں۔ ڈاکٹر ثمر مبارک مند بھی ان سائنسدانوں میں سے ایک ہے جنہوں نے پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر ثمر مبارک

مند17 ستمبر 1942 کو راولپنڈی، برطانوی انڈین سلطنت (موجودہ راولپنڈی، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔انہوں نے 1962 میں جوہری طبعیات میں ایم ایس سی کی ڈگری لی۔اکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔1966 میں پاکستان لوٹنے کے بعد انہیں حکومت کی طرف سے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں تعینات کیا گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ 28 مئی 1998 کو پانچ ایٹمی دھماکے کرنے سے پاکستان، بھارت کے برابر آگیا۔پھر 30 مئی 1998 کو ایک اور دھماکہ کرکے اس میدان میں آگے آگیا۔ان کا کہنا ہے کہ دفاعی کمیٹی کے اجلاس سے ایک روز قبل نواز شریف صاحب نے مجھ سے علیحدہ ملاقات کی اور پوچھنے لگا کہ اگر اللہ نہ کرے دھماکے ناکام ہوئے تو پھر کیا ہوگا؟؟؟ پھر نواز نے خود اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ایسی صورت میں پاکستان کیلئے ایک تکلیف دہ صورتحال ہوگا۔ڈاکٹر ثمر کہتے ہیں کہ میں نے نواز سے کہا کہ دھماکے کامیاب بنانے کی 100 فیصد کوشش کریں گے تاہم نتائج اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے۔ہر شخص کو اس کی کامیابی کیلئے دُعا کرنی چاہئے۔ڈاکٹر ثمر مزید کہتے ہیں کہ 28 مئی 1998 میری زندگی کا بہت اہم دن تھا۔جب میں نے متعلقہ انجینیروں سے کہا کہ وہ دھماکے کیلئے کمپیوٹر کا بٹن دبا دیں۔ہر شخص عملی طور پر دھماکہ ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔اس وقت سہ پہر کے 3:15 تھے۔جب 5 سیکنڈ تک کچھ نہ ہوا تو ہر شخص پریشان تھا۔یہ 5 سیکنڈ میری زندگی کا سب سے لمبا عرصہ تھا۔5 سیکنڈ بعد جب دھماکہ ہوا تو ہر شخص خوش تھا اور اللہ اکبر کے نعرے لگا رہا تھا۔اسی دن سے پاکستان سات ایٹمی

طاقتوں کے صف میں آگیا۔۔۔۔۔

ان دھماکوں کے بعد پاکستان کو بھارت یا کسی اور دشمن ملک سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔اب پاکستان کو صرف اندر کی بد امنی، افراتفری، فرقہ واریت، پارٹی بازی اور سب سے زیادہ کرپشن سے خطرہ ہے۔یہ مسائل کون اور کیسے حل ہو سکتے ہیں؟؟ شائد اس سوال کا جواب ہر اس شخص کے پاس ہوگا جو تھوڑا بہت عقل رکھتا ہو۔یہ مسائل ہم اور ہمارے سیاستدانان صاحبان حل کر سکتے ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم عوام پارٹی بازی میں اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ ہمیں اپنے ملک کا کوئی خیال ہی نہیں آتا اور ہمارے سیاستدانان صاحبان ایک دوسروں پر تنقید اور تو تو میں میں ، میں اتنے مصروف ہوگئے ہیں کہ انہیں بھی پاکستان اور عوام کا کوئی پاس نہیں۔اگر پاکستان کے مسائل کو حل کرنا اور اسے بد امنی،افراتفری، فرقہ واریت اور کرپشن سے نکالنا ہے تو ہمیں اور ہمارے سیاستدانوں کو اپنی پارٹی اور کرسی سے بالاتر سوچنا ہوگا۔ایک دوسرے پر انگلیاں اُٹھانے کی بجائے ایک دوسرے کی بات سُننا ہوگا۔جنگ اور جوش سے نہیں، بلکہ استقامت سے کام لینا ہوگا۔سندھودیش، پختونستان، جاگ پنجابی جاگ اور عظیم بلوچستان کے نعرے نہیں بلکہ ایک پاکستان کا نعرہ بلند کرنا ہوگا۔تب ہم ایک نیا اور خوشحال پاکستان پا سکتے ہیں۔اللہ تعالی ہمارے پیارے ملک کو ہمیشہ سلامت رکھے۔

آمین

کیا ہم ایک ہیں ؟

اتحاد ، اتفاق اور یکجہتی کا عالگیر اُصول خیرت انگیز طور پر کایئنات کے ایک ایک ذرے میں کارفرما ہے۔انسان ہو یا حیوان ، پانی کا معمولی سا قطرہ ہو یا ریت کا حقیر سا ذرہ، کایئنات کا ہر شے اتحاد، اتفاق اور یکجہتی کی اہمیت کا گواہی دیں رہا ہے۔ یہ ایک مُسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جن اقوام نے اتحاد ، اتفاق اور یکجہتی کا فلسفہ اپنایا انہوں نے ترقی بھی پائی اور جن اقوام نے اس فلسفہ سے روح گردانی کی، وہ ذلیل و رسوا ہوئے ہیں۔

محمد جاوید اقبال صدیقی فرماتے ہیں کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جسے اگر مسجدوں، درگاہوں، خانقاہوں اور صوفیوں کا ملک کہا جائے تو شائد غلط نہ ہوگا۔ملک کا کوئی گوشہ، کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں عبادت گاہوں کا وجود نہ ہو۔یہ وہ ملک ہے جہاں بھانت بھانت کے لوگ صدیوں سے رہتے اور بستے آ رہے ہیں۔ یہ طرح طرح کی بولیاں بولتے ہیں۔ طرح طرح کے مذہب ، تہذیب وتمدن سے تعلق رکھتے ہیں مگر ایک دوسرے کا اختزام ، محبت اور بھائی چارہ ان کی پہچان تھا۔۔۔

آج کل ہمارے پیارے ملک کو بہت سے مسائل درپیش ہیں اور واضح ہے کہ یہ مسائل

ابھی سے نہیں بلکہ پاکستان کی آزادی سے شروع ہوئے ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ 67 سال بعد بھی یہ مسائل حل نہ ہوئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم عوام اور ہمارے سیاستدانان صاحبان ابھی تک اپنی ذات اور اپنے مفادات سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔اپنی جیت، کرسی اور پارٹی کے لئے ایک ہو سکتے ہیں لیکن جب بات پاکستان پر آجاتی ہے تو ملا کی دوڑ مسجد تک کے فلسفہ پر عمل پیرا ہوجاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہمارا بھی یہی حال ہیں۔ہم عوام بھی ابھی تک ایک نہ ہوئے۔جب بات پٹھان بھائیوں کی ہوتی ہے تو لوگ یہ نہیں کہتے کہ پاکستانی ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ یہ پاکستان تحریک انصاف والے ہیں۔پنجابی بھائیوں کو پاکستان مُسلیم لیگ (ن) سے یاد کئے جاتے ہیں۔سندھی کو ایم کیو ایم اور پی پی پی جبکہ بلوچیوں کا سن کر ذہن میں ایک یتیم بچے کا خیال آجاتا ہے۔قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں کا تو کوئی ذکر نہیں کرتا اور ہم صرف اور صرف پاکستانی ہیں کے قول پر بھی کوئی عمل پیرا نہیں ۔۔۔۔

پاکستان کے دشمن اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ اگر پاکستانی عوام ایک ہوگئے تو وہ کسی بھی دشمن کو آسانی سے شکست دے سکتے ہیں۔اس لئے ہر ملک یہی چاہتا ہے کہ اس عوام کو کسی نہ کسی طریقے سے ایک دوسرے سے دور رکھے۔وہ ایسا کرنے کیلئے طرح طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہوجائے کیونکہ ہم خود ایک دوسروں سے اتنے دور گئے ہیں کہ اب کسی

بیرونی دشمن کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ہمیں کیوں یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ چار مخالف مذہب کے ممالک بھارت، اسرائیل، روس اور امریکہ ہمارے وطن کو توڑنے کیلئے ایک ہو گئے ہیں تو کیا ہم مہاجر، سندھی، بلوچی، پٹھان اور بنجابی اپنے وطن کی حفاظت اور بقا کیلئے ایک نہیں ہو سکتے ؟جبکہ ہمارا مذہب ایک، اللہ ایک، قران پاک ایک اور قبلہ بھی ایک ہے۔لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان سب چیزوں کے باوجود ہم آج تک ایک نہ ہوئے۔جس ملک کو آزاد کرنے کیلئے ہمارے بُزرگوں نے اپنے من، دھن، تن کی قربانیاں دی ہیں اُسی ملک کو ہم بعض وعناد اور اختلاف و انتشار سے کھونا چاہتے ہیں۔کیا قائد اعظم محمد علی جناح ایسا پاکستان چاہتے تھے؟ کیا شاعر مشرق علامہ محمد اقبال اسطرح کے عوام کو شاہین کہنا پسند کرتے تھے؟اگر نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم آج تک ایک نہ ہوئے؟؟کیا ہم نے سقوط ڈھاکہ سے کچھ نہیں سیکھا؟؟

ہمیں آج ہی اپنے اعمالوں کا رونا رونا ہوگا، اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا ہوگا۔اپنے اندر کے اختلافات کو دور کرنا ہوگا۔اپنے ملک کو اپنی ذات اور مفادات پر ترجیح دینا ہوگا۔پھر ہمارے سارے مسائل جو 67 سال سے ابھی تک حل نہ ہوئے، کیسے حل نہیں ہو سکتے ۔سب کچھ ٹھیک ہو سکتے ہیں اگر ہم ان باتوں پر خود عمل کرکے دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی تلقین دیں۔پھر ہم سچ میں اقبال کا پاکستان پا سکتے ہیں جہاں اسلام کا قانون ہوگا، امن وامان ہوگا،

روزگار ہوگا اور جان ومال کی حفاظت ہوگی۔اللہ تعالی ! ہمارے دلوں کے بعض وعناد
اور اختلاف وانتشار دور کرکے ہم سے وہ کام لیں جس میں اسلام اور پاکستان کا فائدہ
ہو۔۔۔

اسلام، دہشت گردی اور مغربی میڈیا

اسلام اور دہشت گردی دو ایسے لفظ ہیں جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔اسلام ایک پُرامن دین ہے اور اس میں دہشت پھیلانے کی کوئی گنجائش نہیں۔اسلام میں ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل تصور کیا جاتا ہے اور فساد برپا کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔مغربی میڈیا ہمیشہ سے یہ ثابت کرنے کی بے کار کوششیں کر رہی ہے کہ اسلام اور دہشت گردی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور اسلام امن وآتشی کا مذہب نہیں بلکہ دہشت گردی پر مبنی مذہب ہے۔

میاں علاوالدین صاحب کہتے ہیں کہ دہشت گردی کا فلسفہ کوئی نیا نہیں بلکہ دور قبل از مسیح اور ازمنہ وسطہ میں بھی دہشت گردی کے واقعات نظر آتے ہیں۔تصور اور خیال کے آنکھ کے زاویے میں آگ کے اس الاو، منڈپ کو لائیں جو اس حق کے لئے جلایا گیاجو حق کی بات کرتا تھا۔حق کی بات کرنے والے اللہ کے نبی حضرت ابراہیمؑ تھے۔ نمرود اس وقت کا بادشاہ تھاکو حق کی بات اچھی نہیں لگی اور اس نے حکم جاری کیا کہ اس حق پرست (ابراہیمؑ) کو آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔نمرود اس وقت کاسب سے بڑا دہشت گرد تھا۔

فراعنہ مصر اپنے وقت کے سب سے بڑے دہشت گرد تھے جنھوں نے اپنے اہرام بنانے

کے لئے دہشت گردی کی ابتداء کی اور انکار کرنے والوں کو زندہ درگور کردیا۔ان کے دور کے نجومیوں نے جب پیشنگوئیاں کی کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو فرعون کے تخت اور حکومت کے لئے خطرہ بنے گا تو آل فرعون نے گھروں میں گھس کر ہر اس ماں کی گھود اُجاڑ دی جسکا شیر خوار بچہ تھا، اور ساری فراعنہ سلطنت میں شیر خوار بچوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ یہ اس وقت کی سب سے ہولناک دہشت گردی تھی اور فرعون اس وقت کا سب سے بڑا دہشت گرد تھا۔اس کے علاوہ ہندوستان کی تاریخ بھی دہشت گردی سے بھرا ہوا ہے۔ کمزور قوموں کے ساتھ دہشت گردوں والا سلوک روا رکھا جاتا۔ ہندوستان میں شودروں کے ساتھ جو دہشت گردی کے واقعات پیش آئے ہیں، ان کا مثال ملنا مشکل ہے۔ کسی کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا تو کس کی آنکھیں نکال دی جاتیں۔ کسی کی زبان کاٹ دی جاتی تو بہت سوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ تاریخی لحاظ سے دہشت گردی کا باقاعدہ آغاز کو انقلاب فرانس کے ابتدائی سالوں یعنی کا نام'' ''Regime DE-LA Terror کو گردانا جاتا ہے۔ اس دور کو 1793-94 کا باقاعدہ طور پر'' Terrorism اور Terror دیا گیا ہے۔انہی دنوں میں لفظ دہشت'' اور'' دہشت گردی'' کیلئے استعمال کئے گئے۔فرانس میں جو دہشت گردی سامنے آئی اس میں انقلاب فرانس کے حامی چار لاکھ افراد جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے کو گرفتار کیا گیا اور تقریبا چالیس ہزار افراد کو قتل کر

دیا گیا۔روس میں بھی دہشت گردی کی کاروائیاں 1878 تا1881 تک اپنے عراج پر رہیں جو ایک تنظیم "Narodnaya-Volya" کی طرف سے کی گئی۔

1880 سے لیکر 1910 تک یورپ اور امریکہ میں دہشت گردی کے بہت سے واقعات ہوئے۔1894 میں فرانسیسی صدر کارنٹ، 1897 میں سپین کا وزیر اعظم کانواس قتل ہوئے۔1898 میں آسٹریا میں ملکہ الزبتھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیااور 1990 میں اٹلی کے صدر بادشاہ امبر تو کو قتل کر دیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزوں اور اس کے اتحادیوں نے اسرائیل کا قیام کروا کر فلسطینیوں کو غلامی کے گڑھے میں دھکیل دیا اور فلسطینی زمینوں کے مالک ہوتے ہوئے بھی غیر ملکی بن کر مہاجر کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہو گئے حالانکہ یہ سرزمین اُن کا بنیادی حق تھا۔اب ایسے صورتحال میں ابوندال خریت پسند جنم نہ لیتا تو اور کیا ہوتا ؟؟؟اس طرح 11/9 کے واقعات، 2002 میں بھارت میں ٹرین پر حملہ، پھر لندن بم بلاسٹس اور ممبئ کے حملوں نے دہشت گردی کا ایک نیا باب کھولا۔ان سارے واقعات کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھرایا جاتے ہیں حالانکہ دور اول سے لیکر اب تک جتنے بھی دہشت گردی کے واقعات ہوئے ہیں ان میں سے کہی بھی مسلمان نہ شریک ہوئے اور نہ ہی کہی مسلمانوں کا ذکر ہوا ہے۔اگر آج مغربی میڈیا مسلمانوں کو دہشت گرد ٹھراتے ہیں تو وہ یہ کیوں

بھول جاتے ہیں کہ نمرود اور فرعون کون تھے ؟؟شودروں کے ساتھ کس نے دہشت
کس کا دور تھا ؟دہشت گردی کا لفظ کہاں سے Regime DE-LA Terror گردی کی؟ اور
تنظیم کا تعلق کس قوم اور Narodnaya-Volya'' '' اور کیوں سامنے آیا ہے؟
مذہب سے تھا اور فلسطینوں کو کس نے غلام بنائے ہیں؟؟ان سارے سوالوں پر اگر
غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ دہشت گرد مسلمان نہیں
بلکہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ ظلم کئے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔اللہ تعالی
مسلمانوں کو ان دہشت گردوں سے محفوظ رکھیں۔آمین

کینیڈا سے خاک انقلاب آئے گا

ڈاکٹر محمد طاہر القادری 19 فروری 1951 کو پیدا ہوئے۔آپ تحریک منہاج القران کے بانی رہنما ہیں۔ 25 مئی 1989 میں انہوں نے پاکستان عوامی تحریک کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنائی۔اس کے پاس پاکستان کے ساتھ ساتھ کینیڈا کی بھی شہریت ہے۔انہوں نے 1999 میں کینیڈا کی شہریت کیلئے درخواست دائر کی اور 2005 میں شہریت حاصل کی۔ جنوری 2013 میں اس نے ڈی چوک اسلام آباد میں زرداری حکومت کے خلاف کچھ مطالبات کی بنا پر لانگ مارچ کیا۔ان کا کہنا تھا کہ ہمارا پہلا مطالبہ ہیں کہ موجودہ الیکشن کمیشن کو تحلیل کرکے تشکیل نو کی جائے۔غیر سیاسی نگران حکومت قائم کی جائے ، الیکشن آرٹیکل 62، 63 اور 218 کے تحت کرائے جائیں۔

اس کے بعد 11 مئی 2013 کا الیکشن ہوا اور ن لیگ نے کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت آتے ہی کچھ سیاسی لوگوں نے ان کے راستے میں روکاوٹیں ڈالنا شروع کئے۔الیکشن کے دوسرے دن ہی سے لوگوں نے نواز شریف صاحب اور مسلیم لیگ (ن) پر تنقید کے ڈرون شروع کئے۔ابھی اس نے حلف بھی نہیں اُٹھایا کہ دھرنوں اور جلسوں کی دھمکیاں ملنا شروع ہوگئے۔

گزشتہ روز طاہر القادری صاحب نے پاکستان عوامی تحریک کی سنٹرل ورکنگ کونسل کے اجلاس سے ٹیلی فونک خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عوام پاکستان اور میرے ملاقات کے درمیان چند دنوں کا فاصلہ حائل ہے۔اسی مہینے وطن واپس آ رہا ہوں۔انقلاب کی جدوجہد کا آخری اور فیصلہ کنُ مرحلہ شروع ہوگیا ہے۔سبز انقلاب میری زندگی کا مقصد ہے، اس کیلئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرونگا۔انقلاب آئے گا یا شہادت کا جام پیوں گا، ان واپسی نہیں ہوگی۔حالات کی پروا بغیر مہم جاری Door to Door رکھیں۔انقلاب ہر خاندان کا دروازہ کھٹکا رہا ہے۔اگلی نسلوں کے مستقبل کو غلامی سے بچانے اور ریاست پاکستان کی حفاظت کیلئے ہر کوئی اپنا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔موجودہ حکمران ریاست پاکستان اور اداروں کے دشمن ہیں۔اس لئے انہیں اقتدار سے نکال باہر کرنا ہر فرد پر واجب ہوگیا ہے۔قوم کو ایسے حکمرانوں سے نجات دلا کر ہی ریاست کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔حالیہ بجٹ غریب دشمن سے عبارت ہے۔ایم این ایز اور ایم پی ایز کی تنخواہوں اور مراعات کیلئے تو حکومت کے پاس فنڈز ہیں مگر غریب کی بنیادی ضرورتوں کیلئے کچھ نہیں۔حکمرانوں نے غریب کا ریلیف دینے کیلئے اپنے ایک سالہ دور اقتدار میں کچھ نہیں کیا۔عوام کی خدمت ان کے ایجنڈے میں شامل ہی نہیں۔ذاتی اور پارٹی مفادات سے بڑھ کر ان کوئی چیز عزیز نہیں۔ملکی مفادات کو بچانا حکمرانوں کا آرٹ ہے۔ان سے نجات کیلئے عوام انقلاب کی تیاری کریں۔پاکستان عوامی تحریک کا دس بکاتی ایجنڈا غریب کا مقدر بدل دے گا۔ملک

کو ترقی ملے گی اور ایشیاء میں پاکستان لیڈنگ پوزیشن پر آ جائے گا۔ قوم کا ہر فرد اس یقین کے ساتھ نکلے کہ انقلاب ہی اس دھرتی کا مقدر ہے۔۔۔۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا نواز لیگ حکومت سے بہت شکوے ہیں اور وہ وفاقی حکومت کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہے۔ خیرت کی بات تو یہ ہے کہ اگر اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح وفاقی حکومت نے منصوبوں پر کام شروع کیا ہے شائد کسی اور حکومت نے اتنے کم وقت میں کیا ہو۔ میں ڈاکٹر صاحب کی کئی باتوں سے اتفاق کرتا ہوں لیکن اب موجودہ حکومت باقی پچھلی حکومتوں کے مقابلے میں ملک اور عوام کو زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے تو اسکے کاموں اور منصوبوں میں دخل دینا شائد بے وقوفی ہے۔ڈاکٹر صاحب عوام کو انقلاب کی تیاریوں پر زور دیتا ہے مگر وہ یہ کیسے بھول سکتے ہیں کہ ہم عوام تو حقیقت میں انقلاب لانے کی قائل ہی نہیں ہیں۔ اگر انقلاب کے قائل ہوتے تو امتحانی ہالوں میں سخت نگران کار اور تھانوں میں ایماندار پولیس سے نفرت نہیں کرتے۔ اگر انقلاب کے قائل ہوتے تو مصالحوں میں اینٹ پیس پیس کر نہ ڈالتے اور دودھ میں پانی کا ملاوٹ نہ کرتے۔ غلط کام ہم خود کرتے ہیں اور گالیاں حکمرانوں کو دیتے ہیں۔ دودھ میں پانی ملانے والے اور مصالحوں میں اینٹ ڈالنے والے حکمران نہیں بلکہ ہم خود ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بہت مدت بعد پاکستان ایک مثبت اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہونے جارہا ہے اور

ہم سے یہ بھی برداشت نہیں ہو رہا؟ مسلیم لیگ (ن) کی حکومت جو کہ اب ملک کو ترقی اور خوشحالی کی طرف لے جارہا ہے، ہمیں اپنے ملک کے لئے اُن کا ساتھ دینا چاہیے ۔اُن کی مثبت کاموں کی تعریف کرنی چاہیے ۔اگر ہم جلسوں، دھرنوں، تنقید اور انتشار کی بجائے ملک کی ترقی اور خوشحالی کے بارے میں سوچیں تب ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ہم ایک خوشحال پاکستان پا سکتے ہیں، جہاں امن وامان اور زوزگار ہوگا۔

میری وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو

1930 میں علامہ محمد اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس میں باضابطہ طور پر برصغیر میں جُداگانہ مُسلم ریاست کا تصور پیش کیا۔اس کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح نے 1940 تک رفتہ رفتہ قوم کو ذہنی طور پر تیار کرلیا۔23 مارچ 1940 کو قائد اعظم نے قرارداد لاہور کے صدارتی خطبے میں اسلام اور ہندومت کو محض دو مختلف مذاہب ہی نہیں بلکہ دو مختلف معاشرتی نظام قرار دیا۔یوں تو تحریک پاکستان کا باقاعدہ آغاز 23 مارچ 1940کے اس جلسے کو قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کی اصل داستان اس موڑ سے ہوتی ہے جب مسلمانان ہند نے ہندو نواز تنظیم کانگریس سے اپنی راہیں جُدا کرلی تھی۔پھر 14 اگست 1947 کو ہمارے بزرگوں اور علماء کی انتھک محنت اور کوششیں رنگ لا کر پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک آزاد مملکت اُبھرنے میں کامیاب ہوا۔

پاکستان آزاد ہوتے ہی ہندووں اور انگریزوں نے اسے مسائل میں دھکیل دیا ۔آزادی سے لیکر آج تک کچھ ان لوگوں کی پیدا کردہ مسائل اور کچھ ہمارے خود کا پیدا کرنے والے مسائل ملک کی ترقی کی راہ میں ایک بہت بڑا رُکاوٹ بن چکا ہے۔سو

چنے کی بات تو یہ ہے کہ یہ مسائل 67 سال گزرنے کے باوجود اب تک کیوں ہیں؟؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے سیاستدانان صاحبان ایک دوسرے کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ جمہوریت مضبوط ہونے جارہا ہے تو سیاستدانوں کی اندر اختلافات اور ایک دوسرے کو نہ ماننے کی وجہ سے ملک میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے، جس کیلئے مُلک کو قابو کرنے کیلئے مارشل لاء لگ جاتا ہے۔ کبھی اپنی نا اہلی اور حکومت کیلئے بنگلہ دیش کی قربانی دینے سے بھی گُریز نہیں کرتے تو کبھی میدانوں میں جیتی ہوئی لڑائی ایوانوں میں ہارنے پر شرم محسوس نہیں کرتے۔ اگر ایک پارٹی یا ایک حکمران ملک کو ترقی دینا چاہتا ہے تو دوسری پارٹیاں اور اپوزیشن ان کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اُن کے خلاف ملک میں انتشار پیدا کرنے کیلئے جلسے اور دھرنے منعقد کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم عوام پارٹی بازی اور انتشار میں آگے ہیں لیکن ہمارے سیاستدانان صاحبان اس عمل میں ہم سے بھی دس قدم آگے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے عوام اور ملک کی بدقسمتی سمجھو یا حکمرانوں کی نادانی، کہ جو بھی پارٹی قیادت میں آتی ہے اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کیلئے منصوبے شروع کرتی ہے تو دوسری پارٹیاں اُسے ناکام بنانے کیلئے طرح طرح کے سیاسی حربے استعمال کرنا شروع کرتے ہیں۔ دھماکہ ہوجاتا ہے تو حکومت پر طرح طرح کے الزامات شروع ہوجاتے ہیں۔ البتہ اس وقت تنقید کا کوئی جواز نہیں بنتا کیونکہ اس وقت دھماکہ کے وجوہات معلوم کرنے اور سب سیاسی لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر اس

سے نمٹنے کے لئے سوچنا چاہیے۔ہمارے پیارے سیاستدانوں کو یہ بات کیوں سمجھ نہیں آ رہی کہ ملک کو ترقی دینے کیلئے صرف حکومت میں رہنے یا اپوزیشن میں رہنے سے نہیں بلکہ ایک عام سیاستدان کے طور پر بھی دیا جا سکتا ہے۔پھر کیوں ہر کوئی کُرسی کی لالچ اور سوچ میں لگے رہتے ہیں اور ملکی ترقی کی راہ میں رُکاوٹ بنے ہوتے ہیں؟؟یہ صرف آج کل کی بات نہیں ہے۔ روز اول سے لیکر پاکستان کی سیاست میں یہ ایک بہت بُرا رواج بن چکا ہے۔ جو باتیں پارلیمنٹ میں آرام سے کیے جا سکتے ہیں وہ ہمارے سیاستدانان صاحبان آرام سے کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ اسے اپنے آپکو عوام میں مقبولیت کیلئے جلسوں اور دھرنوں پر اکتفا کرتے ہیں اور ہم عوام بھی ان جلسوں اور دھرنوں میں شرکت کرنا اپنا فرض اول سمجھتے ہیں۔کیا قائد اعظم ایسا پاکستان چاہتا تھا اور کیا ہم ہیں اقبال کے شاہین؟؟؟؟

آج کل پاکستان ایک ایسے نازک دور سے گُزر رہا ہے کہ شائد اس سے پہلے کبھی گزرا ہو۔کچھ عناصر فوج اور رائے ونڈ کے درمیان تعلقات خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو کچھ لوگ ملکی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے پر تُلے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ ملک کو مڈ ٹرم انتخابات کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔اللہ کبھی بھی ایسا نہ کرے کہ حالات ملک کو مڈ ٹرم انتخابات کی طرف لے جائے اور اگر خُدا نخواستہ ایسا ہوا بھی تو پاکستان میں اتنے بحران پیدا ہو سکتا ہے کہ شائد اس

سے پہلے پاکستان کی تاریخ میں پیدا ہوا ہو۔ مہنگائی پر کنٹرول لانا پھر کسی کی بس میں نہ ہوگی اور اس کے بعد ملک میں ایسا نظام پیدا ہو سکتا ہے کہ کسی بھی پارٹی، قیادت میں انے والی پارٹی کو ایک سال کیلئے برداشت نہ کر سکے گا اور ملک میں شائد 1971 جیسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مڈ ٹرم انتخابات سے نہ تو وزیر اعظم صاحب کو کوئی فرق پڑ سکتا ہے، نہ عمران خان صاحب کو، نہ زرداری اور نہ ہی شیخ رشید صاحب کو۔ اس سے صرف پاکستان اور خصوصا عوام کو فرق پڑ سکتا ہے اور اتنا فرق کہ کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ پاکستان کی غریب عوام کا نعرہ لگاتے ہیں، حقیقت میں وہی لوگ عوام کو مصیبت میں ڈالنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ سیاسی لوگ جو چاہے کرتے ہیں اور کرینگے لیکن ہم عوام کو یہ بات ذہین نشین ہونی چاہئے کہ ہمیں مڈ ٹرم انتخابات کے نام سے بھی دور رہنا چاہئے اور اُن لوگوں کا ساتھ نہیں دینا چاہئے جو اس وقت ملک کو اس نازک دور سے نکالنے کی بجائے اپنی کامیابی اور اپنی کرسی کیلئے ایک ایسی حکومت کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جو عوام دوست حکومت ہے۔ حکمرانوں کو اپنی ذات سے نکل کر ملک اور عوام کیلئے سوچنا چاہئے تاکہ کل پھر سے ملک کا کوئی ٹکڑا بنگلہ دیش نہ بن جائے۔

کام، کام اور بس کام۔۔۔

میاں محمد نواز شریف 25 دسمبر 1946 کو لاہور میں پیدا ہوئے۔1968 میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی اور بعد ازاں 1970 میں پنجاب یونیورسٹی لاء کالج سے قانون کا امتحان پاس کیا۔وہ سیاسی میدان میں ایک عام کارکن کی حیثیت سے داخل ہوئے۔یہ اسکی لگن اور محنت تھی کہ وہ بہت جلد ملک کے اعلیٰ عہدوں تک جا پہنچے۔میاں صاحب کی سیاست کی داستان جنرل ضیاء الحق کے فوجی امریت سے شروع ہو جاتی ہے۔ 1981 میں پنجاب کی صوبائی کابینہ میں بطور وزیر خزانہ شامل ہو گئے۔وہ کھیلوں کے وزیر بھی رہے ہے اور انہوں نے پاکستان میں کھیلوں کو بہت فروغ دیا۔ 1985 میں امریت کے زیر سایہ غیر جماعتی انتخابات میں میاں صاحب قومی اور صوبائی اسمبلی کی سیٹوں پر اکثریت سے کامیاب ہوئے۔9 اپریل 1985 کو انہوں نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے حیثیت سے خلف اُٹھایا۔انہوں نے جنرل جیلانی کی مدد سے اسلامی جمہوریت اتحاد تشکیل دیا۔ 1988 کے عام انتخابات میں دوبارہ وزیر اعلیٰ پنجاب منتخب ہوئے۔انہوں نے اس دور میں پنجاب کو بہت ترقی دی۔1990 میں پہلی مرتبہ پاکستان کے وزیر اعظم بنے تاہم 1993 میں صدر غلام اسحاق خان نے قومی اسمبلی تحلیل کرتے ہوئے انہیں ان کے عہدے سے بر طرف کر دیا۔1997 کے انتخابات میں اس کو کامیابی ملی اور اس نے

بطور وزیراعظم پاکستان، خلف اٹھایااور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی کوشش شروع کی۔ملک کو ایٹمی طاقت بنایا۔نجی شعبہ کے تعاون سے ملکی صنعت کو مضبوط بنانے کی کوشش کی گئی۔ملک میں دن بدن ترقی شروع ہو گئی تھی مگر قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور فوج کی طرف سے ان کی حکومت ختم ہوئی اور ان پر مقدمہ شروع ہوا، جیسے طیارہ کیس سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کیس میں اغوا اور قتل کے الزامات بھی شامل تھے۔اس کے بعد میاں صاحب سعودی عرب چلے گئے۔2006 میں میثاق جمہوریت پر بے نظیر بھٹو شہید صاحبہ سے ملکر دستخط کیے اور فوجی حکومت کے خاتمے کے عزم کا اعادہ کیا۔23 اگست 2007 کو عدالت عظمی نے شریف خاندان کی درخواست پر فیصلہ سُناتے ہوئے ان کی وطن واپسی پر حکومتی اعتراض رد کرتے ہوئے پورے خاندان کو وطن واپسی کی اجازت دے دی۔ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد نواز شریف صاحب اپنے خاندان کے ہمراہ سعودی عرب کے پریشر مشرف پر دباو کے نتیجے میں 25 نومبر 2007 کو لاہور پہنچ گئے۔

فروری 2008 کے عام انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ (ن) نے 67 نشستوں پر 18 کامیابی حاصل کی جو کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے سب سے زیادہ نشستوں پر کامیابی حاصل کر کے وفاق میں حکومت بنائی اور نواز لیگ پنجاب میں حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئے۔پاکستان پیپلز پارٹی نے پانچ سال حکومت کی اور پھر 2013 کے عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔2013 کے عام انتخابات ہوئے اور

پاکستان مسلم لیگ (ن) نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔پورا ملک شیر آیا، شیر آیا کے نعروں سے گونج رہا تھا۔پی پی پی کی حکومت نے عوام کو پریشان کر دیا تھا۔پاکستان، دہشت گردی اور دھماکوں کے اواز میں دفن تھا۔میاں محمد نواز شریف صاحب نے تیسری بار بطور وزیراعظم خلف اٹھایا اور خلف اٹھاتے ہی انہوں نے پاکستان کو درپیش مسائل سے نکالنے کیلئے منصوبے شروع کیے۔کام، کام اور بس کام کے فلسفہ کو اپناتے ہوئے انہوں نے بہت کم مدت میں ملک کا نقشہ تبدیل کردیا۔عام انتخابات سے پہلے عوام سے کیے جانے والے وعدوں کو نبھاتے ہوئے سب سے پہلے امن اور بجلی پر کام کرنا بہتر اور مناسب سمجھتے ہوئے کام شروع کیا۔سمجھ میں نہیں اتا کہ مسلم لیگ (ن) کی کامیاب حکومت کی داستان کہاں سے شروع کروں۔۔۔۔۔اسٹاک مارکیٹ کی اعلی سطح کی عبوری سے شروع کروں یا ملک میں بجلی کی بحران ختم کرنے کی ٹیکنالوجی سے شروع Gاور 4 G منصوبوں کی افتتاح سے شروع کروں و۔ملک میں 3 کروں کہ چین کی مدد سے ریلوے ٹریک بچھانے سے شروع کروں۔زرمبادلہ کے ذخائر ارب 75 کروڑ ڈالر کی سطح پہنچنے کے بارے میں کچھ کہوں کہ پاک چین اکنامک 11 کے چار سال بعد منافع کمانے کا بحث PIAریڈور پر کام کرنے کے بارے میں کچھ کہوں۔ کروں کہ راولپنڈی، اسلام آباد میں میٹرو منصوبے کی آغاز پر۔۔ملک میں پیدا ہونے والے مشکلات کا مقابلہ کرنے پر خراج تحسین پیش کروں کہ 1300 میگا واٹ بجلی منصوبوں کے افتتاح پر انگشتہ بدنداں ہو جاؤں ۔۔۔۔۔۔۔عرضیکہ جس طرح کے منصوبے اور ترقیاتی کام پاکستان مسلم

لیگ (ن) نے شروع کئے شائد پاکستان کی تاریخ میں کسی نے کی ہوگی۔جس پارٹی کا وزیراعظم میاں نواز شریف جیسا بڑا دل رکھنے والا انسان ہو، وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان جیسا بہادر، وفادار اور قابل سیاستدان ہواور وزیر ریلوے خواجہ سعد رفیق جیسا سادہ انسان ہو، وہ پارٹی ملک کو ترقی اور خوشحالی کیلئے دن رات کام نہیں کریگا تو اور کیا کریگا ؟؟؟؟ پچھلے ایک سال میں پاکستان نے جس طرح ترقی کی اس سے پہلے کبھی ملک کی تاریخ میں ایسا نہیں کیا۔اللہ تعالی پاکستان کو ترقی اور خوشحالی دیں اور اور ہم سے وہ کام لیں جس میں ہمارے ملک کا فائدہ ہو۔

سانحہ ماڈل ٹاون افسوسناک ہے لیکن۔۔۔۔۔۔

سانحہ ماڈل ٹاون لاہور کے واقعہ کے بعد ملک میں افراتفری اور انتشار پیدا ہو گیا ہے۔وزیراعلی نے وزیر قانون پنجاب رانا ثناء اللہ سے استعفی لے لیا۔ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کہتے ہیں کہ رانا ثناء اللہ کا استعفی ناکافی ہے اور شہباز شریف ڈرامہ بند کرکے خود مستعفی ہو جائے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ ہم چاہے تو ملک میں آگ لگا سکتے تھے (اس سے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ ملک ڈاکٹر صاحب کا ہے یا اس نے اس ملک کو آزاد کرایا ہے) لیکن توڑ پھوڑ اور گھیراو جلاو سے ملک کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔۔۔۔ڈاکٹر صاحب بہت غُصے میں تھا اور اس کی منہ سے باتیں نہیں بلکہ آگ کے شعلے برس رہے تھے۔وہ یہ کیوں بھول گیا کہ پاکستان کو آگ لگانے کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور آپ کون ہوتے ہو جو ہمارے پیارے ملک کو آگ لگا دے؟؟؟پاکستان کسی کا میراث نہیں جو اپنی سیاست کیلئے کوئی استعمال کرسکے۔یہ قائد کا پاکستان ہے اور اس ملک کے عوام اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ کسی کی باتوں میں آکر اپنے ہی ملک کو نقصان پہنچائے۔پاکستان ایک آزاد اور خود مختار مملکت ہے اور یہاں ہر کام قانون اور آئین کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ توڑ پھوڑ اور گھیراو جلاو سے۔۔۔۔

اب ڈاکٹر صاحب کے انقلاب کی طرف آتا ہوں۔ڈاکٹر صاحب ان لوگوں سے انقلاب لانے کی باتیں کرتا ہے جو انگلینڈ میں پڑھنا چاہتے ہیں، امریکہ میں کام کرنا چاہتے ہیں، کینیڈا میں رہنا چاہتے ہیں، انگریزی بولنا چاہتے ہیں، چائنیز چاول اور اٹالین پیزہ کھانا چاہتے ہیں، جاپانی الیکٹرانکس استعمال کرنا چاہتے ہیں اور یورپ میں چھٹیاں گزارنا چاہتے ہیں۔اب یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب کونسا اور کن لوگوں سے انقلاب لانا چاہتے ہیں ؟؟؟انقلاب تو وہ لوگ لا سکتے ہیں جو ملک سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہو نہ کہ ملک سے باہر رہ کر صرف اپنی ذات اوراپنی پارٹی کے بارے میں سوچتا ہو۔۔۔

آج کل پنجاب حکومت اور وفاقی حکومت تنقید کے سایہ میں ہیں۔وہ اس لئے کہ سانحہ ماڈل ٹاون لاہور میں کئی جانیں ضائع ہو گئی۔ یہ واقعی ایک افسوسناک بات ہے اور شائداس وقت پنجاب حکومت پر تنقید کرنا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جو پولیس والے اس واقعہ میں زخمی ہوئے ہیں اور ہسپتال میں پڑے ہیں، کوئی اس کے بارے میں کیوں نہیں پوچھتا؟کیا وہ پاکستانی نہیں ہیں؟کیا وہ کسی کے بیٹے نہیں ہیں ؟ خیر آمدم برسر مطلب۔۔۔اس واقعہ کی وجہ سے وزیر قانون مستعفی ہوگیا اور ہونا بھی چاہیے تھا لیکن ایک بات جو میں سمجھانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ نقلاب لانے والے خود کینیڈا میں آرام سے بیٹھ کر مزے لوٹ رہے ہیں اور وہاں سے اپنے ورکرز کو احتجاج کرنے

کیلئے حکم دیتے ہیں ۔ اب مجھے کوئی یہ تو بتا دے کہ ڈاکٹر صاحب اگر پاکستان سے اتنا محبت کرتے ہیں اور وہ واقعی اس ملک میں اسلامی قانون لانا چاہتے ہیں تو پھر کینیڈا میں رہنا کیوں پسند کرتے ہیں ؟؟ کیا وہ صرف انتشار کیلئے پاکستان آتے ہیں ؟؟ باقی کچھ پارٹیاں اور لوگ بھی ڈاکٹر صاحب کا ساتھ دیں رہے ہیں ، اس لئے نہیں کہ وہ انقلاب لانا چاہتے ہیں پر اس لئے کہ وہ بھی چاہتے ہیں کہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت کسی طرح ختم ہو جائے ، چاہے ملک اور عوام کا اس میں فائدہ ہو یا نقصان ، لیکن مسلم لیگ ن) کی حکومت کسی بھی قیمت پر ختم ہو جائے۔ڈاکٹر صاحب آئین اور قانون کے اندر) انقلاب لانا چاہتے ہیں مگر یہ بھول جاتا ہے کہ وفاقی حکومت آئین کے مطابق منتخب ہوا ہے اور اب آئین اسے پانچ سال مدت پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔اور اگر مڈٹرم انتخابات کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو بھی اس کا حق وفاق کے ساتھ ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک طرف انقلاب کی باتیں کرتے ہیں اور دوسری طرف ان لوگوں کو ساتھ میں لینے کی دعوت دیتے ہیں جو اُن کے بقول جعلی اور فراڈ لوگ ہیں۔ جنوری 2013 کے ڈی چوک اسلام اباد کے لانگ مارچ میں انہوں نے پی پی پی حکومت کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جعلی پارلیمنٹ عوام کو حقوق دینے میں ناکام ہو چکی ہے۔ سیاسی قیادت کی نا اہلی کے باعث دہشتگردی کے خلاف قومی پالیسی نہیں بن سکی۔ 70 فیصد ارکان پارلیمنٹ ٹیکس نہیں دیتے۔ رحمان ملک نے

گزشتہ رات مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن لوگوں نے حکومت کو مینڈیٹ دیا تھا وہ ان کے احتجاج کی صورت میں ختم ہو چکا ہے۔ میں حکومت کو صبح تک کی مہلت دیتا ہوں کہ اسمبلیاں خود تحلیل کر دے ورنہ عوام تحلیل کر دیں گے۔۔۔۔۔کیا ڈاکٹر صاحب یہ تقریر بھول گیا یا اب وہ لوگ ان کی نظر میں اچھے اور ایماندار ہوگئے ہیں؟ کیا انہوں نے اب تک وہ ٹیکس دیا جس کا ذکر ڈاکٹر صاحب کر رہے تھے ؟؟ اگر نہیں تو پھر ڈاکٹر صاحب کی باتوں اور انقلاب لانے میں تضاد ہے اور ہمیں ایسے انقلاب کا حصہ نہیں بننا چاہئے ، جس میں ہمارے اور ہمارے پیارے ملک کا نقصان ہو۔

شائد لوگ پہلی بار کسی ایسے شخص کو دیکھ رہے ہیں جو باہر بیٹھ کر ملک میں انقلاب لانے کی باتیں کر رہا ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس انقلاب کا کون کون ساتھ دے رہے ہیں۔ ہم عوام کو اس نازک صورتحال میں کسی کی انقلاب کا نہیں بلکہ اپنے ملک کا ساتھ دینا ہوگا کیونکہ یہ ملک عوام کا ہے، کسی سیاستدان یا جھوٹا انقلاب لانے والوں کا نہیں ۔اب وقت اگیاہے کہ ہم ان لوگوں کا ساتھ دیں جو ملک کی ترقی اور خوشحالی کیلئے کام کرتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کا جو ملک میں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالی ہمارے پیارے ملک کو مصیبتوں سے بچائے۔ آمین

طاہر القادری، انقلاب اور پی ایم ایل این کی استقامت

لال مسجد اپریشن اور نائن الیون کے بعد ملک میں دہشتگردی نے ایک نیا باب کھول دیا تھا۔دھماکوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔فوج، عوام اور سیاستدانوں کے درمیان غلطی فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں۔یہ سب پرویز مشرف صاحب کی غلط پالیسیوں کے ثمرات تھے۔لوگ امریت سے تنگ ہو چکے تھے۔2008 کے عام انتخابات ہوئے اور پی پی پی نے کامیابی حاصل کرکے وفاق میں حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئے۔لوگوں نے خوشیاں منائی اور پی پی پی حکومت کا دل کھول کر استقبال کیا لیکن پی پی پی نے بھی ملک میں امن وامان کی صورتحال کو قابو لانے کیلئے کوئی حکمت عملی اپنائی اور نہ ہی عوام کیلئے کوئی مثبت اقدامات کیں۔البتہ اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ پاکستان کی تاریخ میں پی پی پی کی حکومت نے پہلی مرتبہ پانچ سال مدت پورا کیا۔پھر 2013 کے عام انتخابات ہوتے ہیں اور پاکستان مسلم لیگ (ن) بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کرتا ہے۔پی ایم ایل این نے قوم کی کشتی کو بیچ منجدھار سے کنارے تک لانے کیلئے طرح طرح کے منصوبے شروع کیے۔دہشتگردی کو قابو کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہوگئے۔ایک سال میں ملک نے اتنی ترقی کی کہ شاید اس سے پہلے کبھی کی ہوگی۔اب ہمارے لیے بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ ہر کوئی پی ایم

ایل این سے نا خوش نظر آ رہا ہے اور اس کی حکومت کو توڑنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔سانحہ ماڈل ٹاون لاہور کی وجہ سے سب سیاستدانان صاحبان نے پنجاب اور وفاقی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ہر جگہ انتشار کا محاز کھول دیا ہے۔ایک بات سمجھ سے باہر ہے کہ جب سندھ میں صوبائی حکومت کی نا اہلی کی وجہ سے کئی بچے بھوکے مر گئے، جب کراچی میں روزانہ درجنوں افراد قتل کر دیا جاتا تھا، جب پشاور چرچ میں متعدد لوگوں کی جانیں لی گئیں اور جب ملک میں دہشتگردی عروج پر تھی تو کہاں تھے یہ لوگ اور کہاں تھا ان کا انقلاب ؟؟؟؟؟اس وقت شائد سب خوش ہو رہے تھے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ اگر یہی حالت رہی تو ان کو اگلے انتخابات میں جیتنے کے مواقع زیادہ ہونگے۔اس وقت انہیں پاکستان کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا نہ کہ صرف اور صرف اپنی ذات ۔ کرسی اور مفادات کیلئے۔۔۔

ہمارے پیارے سیاستدانان صاحبان پی ایم ایل این حکومت کے خلاف شائد اس لئے اکٹھے ہو گئے ہیں کہ انہیں پتہ ہیں کہ اگر پی ایم ایل این پانچ سال مدت پورا کرنے میں کامیاب ہوگئے تو وہ ملک میں امن لا سکتے ہیں، بجلی کی بحران پر قابو پا سکتے ہیں، تجارت کو بڑھا سکتے ہیں اور ملک کو ہر طرح کی ترقی اور خوشحالی دے سکتے ہیں۔اس لئے بہت لوگ یہ نہیں چاہتے کہ پی ایم ایل این کی حکومت میں یہ سب کچھ ہو جائے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر یہ سب پی ایم

ایل این کی حکومت میں ہوا تو ملک میں ہر دفعہ انتخابات میں کامیابی انہی کی ہوگی۔افسوس کی بات تو یہ ہے کہ انہوں کو اپنی پارٹی کی فکر ہو رہی ہے نہ کہ اپنی ملک اور غریب عوام کی۔۔۔اگر پنجاب میں پی ایم ایل این کی حکومت ہے تو باقی صوبوں میں کسی اور کی حکومت ہے۔اب ہمارے سیاستدانوں کو کام اور منصوبوں میں ایک دوسرے کیساتھ مقابلہ کرنا چاہئے تاکہ ملک اور عوام کو فائدہ پہنچ سکے۔تنقید کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک سال میں اتنے کام اور منصوبے شروع ہو چکے ہیں کہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔اب اگر پاکستان اور عوام کا کوئی فائدہ چاہتا ہے تو انہیں پی ایم ایل این کی حکومت کی تعریفیں کرنی چاہئے اور خود بھی ایسے کام اور منصوبے شروع کرنی چاہئے جس میں ملک اور عوام کا فائدہ ہو۔

ڈاکٹر صاحب کی انقلاب کا ڈرامہ لوگوں میں عیاں ہوگیا ہے اس لئے انہوں نے گورنر پنجاب چودھری محمد سرور پر اعتماد کا اظہار کیا اور ان کے ساتھ طیارے سے باہر آنا مناسب سمجھا۔مسلم لیگ نون کی حکومت پر تنقید کرنے والا اور حکومت کو ختم کرنے کی دھمکی دینے والا ڈاکٹر صاحب اسی حکومت کے گورنر پر اعتماد کا اظہار کرکے انقلاب سے لو ٹرن لینے لگا۔اب بھی اگر ڈاکٹر صاحب کے اس ڈرامہ کو کوئی نہیں سمجھ پاتا تو مجھے ان پر ترس آتا ہے۔سانحہ ماڈل ٹاون لاہور کے واقعہ پر حکومت پر تنقید کرنے والے اب کہاں کھو گئے جب راولپنڈی

اور لاہور میں عوامی تحریک کے کارکنان قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پولیس والوں پر پتھراو اور ملک میں انتشار پھیلانے کے در پے ہیں۔ اب اس کا ذمہ دار کون ہیں؟؟شائد اس کا ذمہ دار بھی نواز شریف اور شہباز شریف صاحب ہیں نا؟؟؟؟؟

انتشار، تنقید، جلسوں اور دھرنوں کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ کسی طرح مسلم لیگ ن) کی حکومت ختم ہوجائے، چاہے ملک کا فائدہ ہو یا نقصان، چاہے عوام کا بیڑہ غرق) کیوں نہ ہو جائے اور چاہے پھر مہنگائی آسمان سے باتیں کیوں نہ کرے لیکن ہمیں تو صرف نواز حکومت کو کسی بھی طرح سے ختم کرنا ہے۔ہم عوام وزیر اعظم صاحب اور ان کے وزراء کو سلام پیش کرتے ہیں کہ وہ اس مشکل حالات میں ملک کو بچانے کیلئے ہر قسم کی تنقید، جلسوں اور دھرنوں کا مقابلہ استقامت کے ساتھ کرتے ہیں اور کرتے رہینگے۔

جلسوں اور دھرنوں کی سیاست۔۔۔

جلسہ بہاولپور میں پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے عام انتخابات کے نتائج قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میاں صاحب اب چار حلقے کھولنے کا وقت بھی گزر چکا ہے، مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو ایک ماہ کی مہلت دیتا ہوں، اگر ہمارے مطالبات تسلیم نہ کیے تو 14 اگست کو اسلام آباد میں سونامی مارچ ہوگا۔انہوں نے کہا کہ ہمارا حکومت سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ 11 مئی کو کس نے فتح پر تقریر کروائی؟ بتایا جائے کہ اس سازش میں کون کون شریک تھے۔ دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ الیکشن میں سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کا کیا کردار تھا؟ کتنے پنکچر لگانے پر ان کے بیٹے کو بورڈ آف انویسٹمنٹ کا وائس چیرمین بنایا گیا۔ہمارا تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں بتایا جائے کہ 2013 کے عام انتخابات میں 35 پنکچر لگانے والی نگران حکومت کا کیا کردار تھا؟ چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ ووٹر لسٹیں کس کے حکم پر تبدیل کی گئیں؟ انہوں نے مزید کہا کہ میاں صاحب کہتے ہیں کہ بڑی Development ہو رہی پاکستان میں لیکن ہمیں تو سوائے میٹرو بس کے Development نظر نہیں آ رہی۔ میاں صاحب !آپ کہتے ہو کہ جمہوریت ڈی ریل ہو جائے گی لیکن میں سوال پوچھتا ہوں کہ کیا الیکشن کے سسٹم کو بہتر کرنے سے جمہوریت ڈی ریل ہوگی یا مضبوط ہوگی؟؟اس جلسہ میں عمران خان نے الیکشن کمیشن

سے مستعفی ہونے کا بھی مطالبہ کیا۔

اب ان مطالبات میں چند ایسے مطالبات ہیں جو ٹھیک ہے اور اس پر عمل بھی ہونا بھی چاہیے لیکن آئین کے مطابق۔انصار عباسی صاحب کہتے ہیں کہ عمران خان انتخابات میں دھاندلی کی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور انہیں یہ یقین ہے کہ اگر الیکشن صاف شفاف ہوتے تو پاکستان تحریک انصاف کامیاب ہو جاتی۔وہ انتخابات کا الزام جنگ جیو کے علاوہ سابق چیف جسٹس،الیکشن کمیشن اور وزیراعظم میاں محمد نواز شریف پر لگا رہے ہیں۔جو انتخابات کے عمل کو سمجھتا ہے، جسے الیکشن کمیشن کے کام سے واقفیت ہو کہ چیف جسٹس آف پاکستان کا انتخابات کے عمل سے دور دور کا بھی تعلق یا واسطہ نہیں ہوتا۔جس نے دنیا بھر میں انتخابات کے دوران میڈیا کے کردار کو دیکھا ہو اُس کے لئے ان الزامات کی کوئی حیثیت نہیں۔ تحریک انصاف کو لاہور میں دھاندلی کی شکایت ہے تو کچھ دوسری سیاسی جماعتیں ہیں جو خیبر پختونخوا میں دھاندلی کا رونا رو رہی ہے۔

اب الیکشن کے سسٹم کو بہتر بنانے کی طرف آتا ہوں،خان صاحب چاہتا ہے کہ پاکستان میں الیکشن کے سسٹم کو ٹھیک کیا جائے، یہ بات درست ہے اور کوئی بھی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا، پھر خان صاحب کہتے ہیں کہ موجودہ الیکشن کمیشن کے ممبرز کو فارغ کر کے نیا الیکشن کمیشن بنایا جائے، یہ بات بھی

درست ہے لیکن یہ سب کیسے ہوگا؟؟ اس کے بارے میں بھی انصار عباسی صاحب کہتے ہیں کہ جو عمران خان چاہتے ہیں وہ ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ موجودہ آئین میں ترمیم کی جائے۔اب آئین میں ترمیم پارلیمنٹ کر سکتی ہے جس کا پاکستان تحریک انصاف بھی حصہ ہے۔۔۔۔اب جو مسئلہ پارلیمنٹ میں حل ہو سکتا ہے تو پھر جلسوں ، دھرنوں اور سونامی مارچ کا کیا مطلب ؟؟؟

خان صاحب کو ملک میں صرف میٹرو بس کے کوئی ترقی نظر نہیں آ رہی ، اس پر میں اتنا کہوں گا کہ جاپان کی بیرونی تجارت تنظیم (جیٹرو) نے کہا کہ تجارتی شرح نمو میں پاکستان نے دنیا بھر میں دوسرا مقام حاصل کر لیا ہے۔جیٹرو نے دنیا بھر میں کام کرنے والی 9371 جاپانی کمپنیوں کے ریکارڈ کا جائزہ لیا اور یہ سامنے آیا کہ تائیوان کے بعد پاکستان نے دوسرا مقام حاصل کر لیا ہے اور اس نے بھارت اور جاپان کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔اس کے علاوہ زر مبادلہ کے ذخائر بڑھ رہے ہیں، بجلی کے منصوبوں پر کام نے چار سال بعد منافع کمانا شروع کیا۔میں یہ مانتا ہوں کہ PIA شروع ہو رہا ہے اور ملک میں اور بھی بہت کام کرنے چاہیے مگر صرف ایک سال میں ملک کے سارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

اب گیلپ سروے کی طرف آتا ہوں، اس سروے کے مطابق نواز شریف صاحب کو مقبول ترین لیڈر جبکہ صوبائی حکومتوں کی کارکردگی میں شہباز شریف سب سے آگے

تھا،اور (ن) لیگ کی کارکردگی میں غیر معمولی بہتری ریکارڈ کی گئی۔اس سروے کے مطابق سپریم کورٹ کی کارکرگی میں 27 فیصد بہتری اور تعلیمی اداروں کی کارکردگی میں 03 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔اس سروے میں چاروں صوبوں کی عوام سے رائے لی گئی تھی۔ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت ملک کو ترقی دینا چاہتا ہے اور وہ دن دور نہیں کہ جب پاکستان دنیا میں ایک ترقی یافتہ ملک کی حیثیت سے اُبھرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ انشاء اللہ

سونامی مارچ کا نتیجہ۔۔۔۔۔

جلسہ بہاولپور میں عمران خان نے 14 اگست 2014 کو سونامی مارچ کا اعلان کر دیا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا لانگ مارچ نہیں ہے، اس سے پہلے بھی کئی احتجاجی تحریکیں چلائی گئی ہیں۔ ہمارے پیارے ملک میں لانگ مارچ اور احتجاجی دھرنوں اور تحریکوں کی داستان خان عبدالقیوم خان سے شروع ہو جاتی ہے۔ عبدالقیوم خان نے اسکندر مرزا کے صدارتی دور میں لانگ مارچ منعقد کیا جسے قیام پاکستان کے بعد پہلا مارچ کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اسکندر مرزا 5 مارچ 1956 کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا صدر منتخب ہوا۔ عبدالقیوم خان کی لانگ مارچ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان میں فوجی حکومت رائج ہو گئی۔ 27 اکتوبر 1958 کو فیلڈ مارشل ایوب خان نے انھیں بر طرف کر دیا۔ اسکندر مرزا اپنی بیگم کے ہمراہ ملک چھوڑ کر لندن چلے گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایوب خان کے دور میں ملک نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی لیکن 1965 کی جنگ کے بعد طلباء نے معاہدہ تاشقند کے خلاف تحریک کا آغاز کیا جو کافی شدت اختیار کر گئی۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو نے پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی، اور طلباء اور عوام میں موجودہ حکومت کے خلاف جذبات

کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ نومبر 1968 میں مخالف جماعتوں کے متحدہ محاذ نے ملک میں بحالی جمہوریت کی تحریک چلائی، جس نے خون ریز ہنگاموں کی شکل اختیار کر لی۔ 23 مارچ 1969 کو یحییٰ خان نے ایوب خان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی تیاریوں کو حتمی شکل دی اور کور کمانڈر کو ضروری ہدایت دی۔ 25 مارچ 1969 کو ایوب خان نے اقتدار سے الگ ہونے کا اعلان کیا، اس کے بعد یحییٰ خان نے باقاعدہ مارشل لاء کا اعلان کر دیا۔

اب ملک کی سب سے تاریکی دور کی طرف آتا ہوں، میری مراد اس دور سے ہے جب ملک کی باگ ڈور ذوالفقار علی بھٹو کی ہاتھ میں تھی، 1977 کے انتخابات میں دھاندلیوں کے سبب ملک میں خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور اسطرح 5 جولائی کو ملک کا اقتدار ایک بار پھر فوج کے سربراہ جنرل ضیاء الحق نے سنبھال لیا۔ 1977 اس کے بعد بھی ملک میں احتجاجی تحریکیں اور لانگ مارچ منعقد ہوتے تھے جس سے ملک اور عوام کو نقصان پہنچا ہے لیکن اس کا ذکر کرنا میں یہاں گوارا نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد طاہر القادری کی لانگ مارچ کی طرف آتا ہوں۔ جنوری 2013 میں اس نے ڈی چوک اسلام آباد میں زرداری حکومت کے خلاف کچھ مطالبات کی بنا پر لانگ مارچ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا پہلا مطالبہ ہیں کہ موجودہ الیکشن

کمیشن کو تحلیل کرکے تشکیل نو کی جائے۔غیر سیاسی نگران حکومت قائم کی جائے ، الیکشن آرٹیکل 62، 63 اور 218 کے تحت کرائے جائیں۔اس لانگ مارچ کا کوئی نتیجہ نکلا نہ نکلا لیکن اس سے اسلام آباد کے لوگوں اور تاجروں کا نقصان ضرور ہوا تھا۔

پھر عمران خان کی جلسوں اور دھرنوں کی طرف آتا ہوں ،خان صاحب نے 14 اگست کو سونامی مارچ کا اعلان کر دیا ہے، ان کی اپنی کچھ مطالبات ہیں اور ان کا دعوی ہے کہ پاکستان کا سارا عوام ان کے ساتھ ہیں، یہ ان کی خوش فہمی ہے یا حقیقت ، یہ وقت ہی بتا سکتا ہے۔

پاکستان کی تاریخ میں بہت سے سیاستدانوں نے اپنی کرسی،ذات اور پارٹی کیلئے لانگ ماچ اوراحتجاجی تحریکیں چلائی لیکن ان تحریکوں سے کبھی عوام اور پاکستان کا فائدہ نہ ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا، پھر بھی ہم عوام اس میں شمولیت کرنا اپنافرض اول سمجھتے ہیں، ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہمارے سیاستدانان صاحبان ہم عوام کو کس طرح استعمال کرتے ہیں،وہ ہمیں صرف اپنی مفادات کیلئے استعمال کرتے ہیں اور ہم یہ سوچتے ہیں کہ یہ جناب ہمارے لئے ابہت کچھ کرتا ہے۔اب عمران خان کی مارچ کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے، یہ ہر کسی کے ذہن میں ایک سوال بن چکا ہے لیکن اگر سوچا جائے تو اس سوال کا جواب

بہت آسان ہے کیونکہ اگر ہم پاکستان کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس لانگ سے مارشل لاء کی راہ ہموار ہو سکتی ہے، دوسری بات کہ ملک میں خان جنگی پیدا ہو سکتی ہے اور ان سب کا ذمہ دار ہم عوام ہونگے کیونکہ ہم کوئی کام سوچ سمجھ کر نہیں کرتے ،اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں اپنے ملک میں خانہ جنگی اور امریت پسند ہے یا جو ملک آج کل ترقی کر رہا ہے ، یہ پسند ہے۔ فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہمیں اس فیصلہ کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ یہ ہمارے پیارے ملک کا سوال ہے۔ ہمیں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہم لانگ مارچ اور احتجاجی تحریکوں سے صرف اور صرف اپنی اور اپنے ملک کا نقصان کرتے ہیں نہ کہ کسی سیاسی پارٹی اور سیاستدان کی۔۔۔۔۔

عافیہ صدیقی ہم سے کچھ مانگ رہی ہیں

امریکہ کی پاکستان میں ڈرون حملے اور افغانستان کے جنگ میں زبردستی دھکیلنا اپنی جگہ لیکن جس طرح اُنھوں نے پاکستان کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو اغوا کیا اور اُسے قیدی نمبر 650 بنایا، پاکستان کے سیاستدانوں اور عوام کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ 2 مارچ 1972 کو کراچی میں پیدا ہونے والی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو 2003 میں امریکہ نے 3 بچوں سمیت کراچی کے گلشن اقبال علاقے سے اغوا کیا اور اُسے افغانستان لے گیا۔ امریکہ کا دعوی تھا کہ انھوں نے عافیہ صدیقی کو 27 جولائی 2008 کو افغانستان سے گرفتار کر دیا اور اُن پر مقدمہ چلانے کے لئے نیویارک بھیجا گیا۔ اُن کا کہنا ہے کہ عافیہ صدیقی نے امریکی فوجی کی بندوق چھین کر اُن پر گولیاں چلائی اُن کی القاعدہ سے تعلق ہے اور وہ القاعدہ کے لئے ایک متحرک کردار ادا کر رہی ہے۔ 23 ستمبر 2010 میں نیویارک امریکی عدالت نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو 86 سال کی سزا سنائی اور شاید پہلی بار کسی پاکستانی کو، امریکہ کے کسی عدالت میں دہشت گردی کے الزام میں سزا سنائی گئی ہو۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے 14 مئی 2014 کو 86 سال کی سزا کے خلاف ایک بار پھر امریکہ کے فیڈرل کورٹ میں درخواست دائر کردی۔ عافیہ صدیقی کی جانب سے درخواست میں

موقف اختیار کیا گیا ہے کہ 2010 میں 86 سال کی سزا سناتے وقت انہیں مناسب قانونی نمائیندگی نہیں دی گئی تھی اور جج نے انہیں پاکستانی حکومت کی جانب سے نامزد کردہ تین وکیلوں کو قبول کرنے کے لئے مجبور کیا تھا۔

جولائی 2014 کو فوزیہ صدیقی، عافیہ صدیقی کیس کے سلسلے میں اعلی حکام سے 9 ملاقات کرنے اسلام آباد آئی، مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی جو کئی سالوں سے اپنی بہن کی آزادی اور اسے باعزت ملک واپس لانے کی جنگ لڑ رہی ہے اور ہمیشہ پُرامن جدوجہد پر یقین رکھتی ہے، میرے سامنے بیٹھی ہیں، اُس کی باتوں میں سچائی تھی اور دل میں اپنی بہن کیلئے پریشانی تھی۔ خیر آمدم بر سر مطلب۔۔۔۔۔اس نے وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان سے ملاقات کی، چوہدری نثار نے کہا کہ حکومت پاکستان ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی وطن واپسی کیلئے مخلصانہ کوششیں کر رہی ہے، انہوں نے مزید کہا کہ وہ عافیہ صدیقی کے کیس کی تازہ ترین صورتحال کے بارے میں پوری طرح باخبر ہیں اور وزارت داخلہ اس سلسلے میں مختلف قانونی پہلوؤں پر غور کر رہی ہے،

ملاقات کے بعد ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے نئی بات کے نمائیندہ خصوصی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں نے وزیر داخلہ کے سامنے مختلف آپشنز رکھے جو عافیہ کی وطن واپسی کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں، فوزیہ صدیقی کا مزید کہنا تھا کہ اگست 2013 کو وزارت داخلہ نے وزارت خارجہ کو کونسل آف یورپ کے معاہدے کے ذریعے

عافیہ صدیقی کو وطن واپس لانے کیلئے پاکستان کو اگاہ کر دیا تھا کہ پاکستان میں چونکہ سزائے موت کا قانون لاگو ہے اس لئے پاکستان اس معاہدے کا ممبر نہیں بن سکتا، اس کے بعد اب تک حکومت نے پرواہ ہی نہیں کی کہ اب کیا کرنا ہے جبکہ خود امریکہ بھی اپنے ملک میں بعض ریاستوں میں سزائے موت کے قانون کی وجہ سے کونسل آف یورپ کا مبصر رکن ہے، مکمل رکن نہیں،انہوں نے مزید کہا کہ ان کی وزارت خارجہ اور وزارت داخلہ کے حکام سے ملاقاتیں ہوئی ہیں جس میں وہ اس بات پر ششدر رہ گئی ہیں کہ وزارت خارجہ اور داخلہ دونوں کہہ رہی تھیں کہ کونسل آف یورپ نے ابھی اس خط پر ہاں یا ناں نہیں کی ، معاملہ وہیں پر زیر التواء ہے کہ جب ان کو 4 اپریل 2014 کا خط حوالے کیا گیا جس میں کونسل آف یورپ نے پاکستان کے ساتھ سزائے موت کا قانون ہونے کی وجہ سے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا تو یہ ان کیلئے نئی بات تھی حالانکہ یہ خط خود انہیں مل چکا تھا، اس سے لاپرواہی کا اندازہ ہوتا ہے۔چودھری صاحب نے ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کو یقین دہانی کرتے ہوئے کہا کہ کونسل آف یورپ کا دروازہ بند ہونے کے بعد اب وہ ایک ہفتہ کے اندر امریکہ سے سزایافتہ مجرمان کی حوالگی کے معاہدے کیلئے وزارت خارجہ کو خط لکھیں گے۔۔۔چوہدری نثار صاحب کی باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ واقعی اس کیس میں سنجیدہ ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ 11 ماہ ضائع کرنے کے بعد اگر انہوں نے وزارت خارجہ کو خط نہ لکھا تو شاید اس کا قصوروار پھر چوہدری صاحب خود ہوگا،

کے الیکشن سے پہلے جناب نواز شریف صاحب نے عافیہ صدیقی کی ماں سے 2013 ملاقات کی تھی، انہوں نے عافیہ کی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ میں تین مہینوں کے اندر اندر عافیہ صدیقی کو وطن واپس لاونگا،اس وقت وزیراعظم کے آنکھوں میں آنسو آئے تھے، کہہ رہے تھے کہ اگر ہم اپنے جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیں اور عافیہ صدیقی کو بچا لیں تو بھی کم ہوگا۔اسطرح صدر ممنون حُسین صاحب نے بھی صدارت سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ وہ قوم کی بیٹی کو واپس لائینگے اور ان کا پہلا کام یہی ہوگا مگر اب تک نہ تو وزیراعظم صاحب نے عافیہ صدیقی کی ماں سے وعدہ نبھایا اور نہ صدر صاحب نے۔۔۔۔۔اب خیرت کی بات یہ ہے کہ اگر سارے سیاستدانان صاحبان عافیہ صدیقی کو وطن واپس لانا چاہتے ہیں اور خود امریکی حکومت بھی یہی چاہتی ہے کہ عافیہ صدیقی کو پاکستان مانگ لیں اور باقی سزا پاکستان میں پوری کرے، اس پر نواز شریف صاحب نے کہا تھا کہ یہ تو بہت آسان کام ہے، یہ تو میں فورا کروں گا، اس بات کی تصدیق فوزیہ صدیقی نے بھی کی ۔اب ہماری بے حسی کو دیکھیں کہ امریکہ خود کہہ رہا ہے کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو لے جائے اور پاکستان میں اس کی سزا پوری کروا دیجئے،اب ایسا کونسا رُکاوٹ ہے جو ہمارے حکمران اُسے واپس لانے کیلئے تیار نہیں۔۔۔۔؟؟

اب میں ایک خاص موضوع کی طرف آتا ہوں وہ یہ کہ ایک White House Petitions

ہے، جس میں یہ کہ اگر دنیا بھر میں ایک لاکھ لوگ اس پر دستخط کرے تو امریکی صدر براک اوباما کا وعدہ ہے کہ وہ اس پر ضرور نظر کرینگے۔اب ہم سے اتنا تو ہو سکتا ہے کہ اپنی بہن ڈاکٹر عافیہ صدیقی کیلئے ایک دستخط کر دیں تاکہ ہماری بہن کی قید کی داستان ختم کی مدت 4 اگست 2014 تک ہے، ہمارے پاس صرف 22 Petition ہو جائے، اس دن ہیں، اس لئے میری اپنی بہن اور بھائیوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنی بہن عافیہ صدیقی کی آزادی کیلئے دو منٹ دیں، اس کے کیلئے آپ کو عافیہ موومنٹ کے اس ویب سائٹ پر جانا پڑیگا www.aafiamovement.com، بہت شکریہ۔اللہ تعالی ہمیں نیکی کرنے اور نیکی پھیلانے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

غزہ پر بمباری اور اقوام متحدہ کی خاموشی

فلسطین دنیا کے قدیم ترین ممالک میں سے ایک ہے، یہ اس علاقے کا نام ہے جو لبنان اور مصر کے درمیان تھا، جس کے بیشتر حصے پر اب اسرائیل کی ریاست قائم کی گئی ہے، اس خطہ سرزمین کو پیغمبروں کی سرزمین کہا جاتا ہے، 332 قبل مسیح میں یروشلم (بیت المقدس) پر اسکندر اعظم نے قبضہ کر لیا، 168 ق م میں یہاں ایک یہودی بادشاہت کا قیام عمل میں آیا لیکن اگلی صدی میں روما کی سلطنت نے اسے زیر نگین کر لیا، 135 اور پھر 70 ق م میں یہودی بغاوتوں کو کچل دیا گیا، اس زمانے میں اس خطے کا نام فلسطین پڑ گیا۔

636 ء کو عرب فاتحین نے ایک بار پھر فلسطین کا فتح کر دیا، 463 سال تک یہاں اسلام کا دور دورہ رہا تاہم یہودی ایک اقلیت حیثیت سے موجود رہے، گیارہیوں صدی کے بعد یہ علاقہ غیر عرب سلجوق کا حصہ رہا، 1189 میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کر لیا اور مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی، چار صدیوں تک عثمانیوں کی حکمرانی کے بعد 1917 میں برطانیہ نے اس خطے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور یہودیوں کیلئے ایک قومی ریاست کے قیام کا وعدہ کیا گیا، فلسطین کی جانب یہودیوں کی نقل مکانی 17 ویں صدی کے آخر میں شروع

ہو گئی، 1930 تک نازی جرمنی کے یہودیوں پر مظالم کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوگیا، اور 1936 میں عربوں کی طرف سے یہودیوں کی نقل 1929، 1922، 1920 مکانی اور اس علاقے میں آمد کے خلاف پُر تشدد مظاہرے ہوئے لیکن پھر بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

میں اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے فلسطین کو تقسیم کر 1947 کے ایک عرب اور ایک اسرائیل ریاست قائم کرنے کا اعلان کر دیا، 1948 میں برطانیہ نے اس علاقہ سے اپنی افواج واپس بلا لیں اور 14 مئی 1948 کو اسرائیل کی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا گیا، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ فلسطینی ریاست بھی قائم کر دی جاتی لیکن ایسا نہ ہوا، عربوں نے اس تقسیم کو نا منظور کر دیا اور مصر، اُردن، شام، لبنان، عراق اور سعودی عرب نے نئی اسرائیلی ریاست پر حملہ کر دیا، تاہم وہ اسے ختم کرنے میں ناکام رہے بلکہ اس حملے کی وجہ سے یہودی ریاست کے رقبے میں اضافہ ہوگیا۔

اس کے بعد اسرائیل کا فلسطین اور فلسطینی لوگوں پر ظلم وستم کی داستان شروع ہو جاتی ہے جسے سُن سُن کر لوگوں کے ڈر سے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، اسرائیلی درندگی اور دہشت گردی کی داستان میں کہاں سے شروع کروں؟ بے گناہ اور نہتے فلسطینی بوڑھوں اور جوانوں کی چیخ وپکار سے شروع کروں یا معصوم بچوں اور

مظلوم عورتوں کی لہولہان ہونے شروع کروں۔۔، عراق کا ایٹمی ری ایکٹر کی تباہی سے شروع کروں یا لبنان پر کئے جانے والے حملوں اور تشدد کے واقعات سے شروع کروں۔۔، لبنان کے منتخب صدر بشیر جمائل کے قتل پر آنسو بہاؤ یا عیسائی شدت پسندوں کی مدد سے اسرائیل کا مہاجر کیمپوں میں گھس کر سینکڑوں بے گناہ فلسطینیوں کے قتل عام پر انگشتہ بدنداں ہو جاؤں؟؟؟؟؟؟ یہ سب اپنی جگہ لیکن آج کل اسرائیلی درندوں نے غزہ کے مسلمانوں کا جینا حرام کیا ہے اور ہمیں خبر تک نہیں، وہاں کے مسلمانوں کو زمینی کاروائیوں میں بھی جانوروں کی طرح ذبح کیا جا رہا ہیں اور ہم خواب خرگوش مین مبتلا ہیں، دُنیا میں تقریبا 57 مسلم ممالک ہیں لیکن ان 57 ممالک کے مسلمانوں میں ایک بھی صلاح الدین ایوبی نہیں جو اسرائیل کے اینٹ سے اینٹ بجا دے، اب تک ان حملوں اور تشدد میں تقریبا 200 کے قریب بے گناہ افراد شہید جبکہ 1400 کے قریب شدید زخمی ہوئے ہیں، اب ان بے گناہ لوگوں کے قتل عام پر اقوام متحدہ اور امریکہ کیوں خاموش ہے؟ کیا یہ ان کا انصاف ہیں کہ 11/9 کے واقعہ پر انہوں نے اور ان کے اتحادیوں نے دنیا کے مسلمانوں کو بالعموم اور افغانستان کے مسلمانوں کا بالخصوص جینا حرام کر دیا تھا اور اب فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیلی ظلم وستم پر اسرائیل کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں؟؟؟ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمان آج بھی متحد نہیں ہوئے اور شائد یہ ہماری سب سے بڑی غلطی ہو گی کیونکہ اگر ہم آج بھی ایک نہ ہوئے تو ہم ہو نہی کٹتے مرینگے، رسوا اور ذلیل ہوتے رہینگے اور ایک

دن ایسا آئیگا کہ ہمارے پاس شرمندگی اور افسوس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔اب فیصلہ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو کرنا ہوگا کہ ہمیں شرمندگی پسند ہے یا وقت پہ بیدار ی۔۔۔۔۔۔

غزہ ایک اور صلاح الدین ایوبی کی منتظر

غزہ پر اسرائیل کی وحشیانہ بمباری سے قیامت صغری برپا ہو گئی، گزشتہ روز اسرائیلی درندوں نے ایک ہی دن میں 134 فلسطینی شہید کر گئے، حملوں میں غزہ ملبے کا ڈھیر بن گیا، صہیونی فوج نے مرکزی غزہ میں ہسپتال پر بھی ٹینکوں سے گولہ باری کی جس سے 5 فلسطینی شہید اور 20 ڈاکٹرز سمیت 70 سے زائد افراد زخمی ہوئے، شجائیہ سے 68 لاشیں برآمد ہوئیں، طبّی ذرائع کے مطابق ان میں 80 فیصد افراد بچے، خواتین اور بزرگ ہیں۔ یہ سب پڑھ کر مجھے تاریخ اسلام کے عظیم فاتحین اور دلیر سپہ سالار یاد آ گئے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہو چکی تو ایک روز حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے اپنے والد گرامی سے ملے اور کہنے لگے کہ بدر کے میدان میں ایک موقع پر آپ کی گردن میری تلوار کی عین زد میں آ گئی لیکن میں نے آپ سے رشتے کا احترام کرتے ہوئے تلوار کا رُخ موڑ دیا، ظاہر ہے اسے وقت تک عبدالرحمٰن نے اسلام قبول نہیں کیا تھا چنانچہ وہ کُفار کی جانب سے میدان میں اترے تھے، یہ بات سُن کر حضرت ابو بکرؓ نے ایسا جواب دیا جس نے رشتوں کے درمیان حد فاصل کی وضاحت کر دی، آپؓ نے کہا کہ صاحبزادے! اگر

تمہاری گردن میری تلوار کی زد میں آ جاتی تو خُدا کی قسم اُسے کاٹ کر تن سے جُدا کر دیتا۔

حضورؐ کی وفات کے بعد عرب میں بغاوتیں شروع ہوگئے، اس وقت 125 جنگوں میں حصہ لینے والا خالد بن ولید ان بغاوتوں کو کُچلنے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ سیکولرز اور لبرلز کا ہیرو راجہ داہر بد فطرت آدمی تھا جس نے بے حیائی کی حد کر دی تھی اور اپنی ہی بہن سے شادی کی تھی، اسی راجہ داہر کا محمد بن قاسم اینٹ سے اینٹ بجاتا ہے۔اس کے بعد صلاح الدین ایوبی کی طرف آتا ہوں جو نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ عالم کے مشہور ترین فاتحین وحکمرانوں میں سے ایک ہیں، اُس کی بہادری دیکھیں کہ سات دنوں میں عیسائیوں کو شکست دیکر بیت المقدس کو اپنے قبضے میں لیتا ہے، وہ بیت المقدس جو پچھلے سال سے عیسائیوں کے قبضے میں تھا۔اس کے بعد ٹیپو سلطان جو شیر کی ایک دن 88 زندگی کو گیدڑ کی سو سال زندگی سے بہتر سمجھتا تھا اور جنوبی ہند میں تقریبا 50 سال تک انگریزوں کو روکھے رکھا اور کئی بار انگریزی افواج کو شکست فاش دی تھی۔1761ء سے پہلے مرہٹ پاک وہند کے حصے کو فتح کر چکے تھے ، ان کے سردار گوناتھ نے مغلوں کو شکست دیکر دہلی پر قبضہ کر لیا تھا، پھر لاہور پر قبضہ کرکے اٹک کا علاقہ فتح کر لیا تھا، 14 جون 1761ء کو احمد شاہ ابدالی مرہٹوں سے پانی پت کو ہمیشہ کیلئے خالی کرا دیتا ہے۔یہ تھے مسلمان سپاہی

اور سپہ سالار جنہوں نے ہر دور میں ظالموں کو نیست ونابود کر دیا تھا اور کُفر کی دیواریں ہلا کر رکھ دیئے تھے۔

اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کونسے ملک سے خالد بن ولید کی شہادت کی آرزو بلند ہوگی جو دشمن ڈر کے مارے میدان چھوڑنے پر مجبور ہو جائے، کب ہماری ماوؤں کی کھوک سے محمد بن قاسم جنم لیگا جو دشمن کے اینٹ سے اینٹ بجا دے، کونسی سرزمین سے صلاح الدین ایوبی نمودار ہوگا جو سات دنوں میں بیت المقدس کو فتح کر دے، کب ہماری سرزمین سے احمد شاہ ابدالی جیسے بہادر مجاہد پیدا ہوگا جو اسرائیل سے فلسطین کو آزاد کرالے، کب عرب ممالک کے حکمرانوں کو ٹیپو سلطان کی یہ بات سمجھ آئے گی کہ گیدڑ کی سو سال زندگی سے شیر کی ایک دن زندگی بہتر ہے؟؟

دراصل ان سب کا ذمہ دار ہم مسلمان اور ہمارے حکمران صاحبان ہیں لیکن سب سے زیادہ عرب ممالک کے حکمران ہیں جو فلسطین پر یہ ظلم تو دیکھ سکتے ہیں مگر اپنی کُرسی نہیں چھوڑ سکتے، ان کے دلوں میں فلسطینی بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کیلئے غم ہیں مگر غلامی کی تاج کو اپنے سر سے اُتارنے کے حق میں نہیں ہیں، دراصل انہیں اپنی کُرسی، شان وشوکت اور بادشاہت فلسطین کی معصوم بچوں اور بے بس عورتوں سے زیادہ عزیز ہیں، بس آپ سب حکمران اس طرح سر

جُھکائے بھیٹے رہو اور اسرائیلی درندگی کا تماشہ دیکھتے رہو۔۔۔اللہ تعالیٰ ان بے حس
حکمرانوں کو ہدایت دیں اور فلسطین کو اسرائیل سے بچائیں۔

آزادی مارچ اور یاسر عباسی

آج کل ہمارا پیارا ملک ایک نازک دور سے گزر رہا ہے، 14 اگست کو کیا ہوگا، سب کے ذہنوں میں صرف یہ ایک سوال ہے، میں بھی ان خیالوں میں اسلام آباد میں گھم رہا تھا کہ اچانک میرے ایک دوست یاسر عباسی کی اواز میری کانوں میں گھونجی، میں کسی کام کے سلسلے میں مارکیٹ گیا تھا اور وہ بھی مارکیٹ میں موجود تھا، یاسر عباسی کا تعلق پاکستان مسلیم لیگ نون سے ہے اور وہ یوتھ ونگ اسلام آباد کا جنرل سیکرٹری بھی ہے، اس کے بعد ہم دونوں کولڈ ڈرنکس کے دکان پر گئے۔ باتوں باتوں میں نے اس سے کہا کہ عمران خان صاحب 14 اگست کو اسلام آباد آرہا ہے، میرے خیال میں آپ لوگوں کو بہت بڑا نقصان ہونے والا ہے، پاکستان تحریک انصاف کی حکومت انے والا ہے اور عمران خان پاکستان کا اگلا وزیر اعظم ہوگا، میں نے یہ بات محض مزاق کے طور پر کی لیکن میرے بھائی کو شائد یہ بات اچھی نہ لگی ہو اس لئے انہوں نے مجھ سے کچھ کہا کہ چلو مان لیتے ہیں کہ لانگ مارچ ہوگیا، دس لاکھ بندے بھی آ گئے، حکومت ٹوٹ گیااور انتخابات کا اعلان بھی ہوگیا، چلو مان لیتے ہیں کہ عمران خان پاکستان کا وزیر اعظم بن گیا، اگلے دن ہم لانگ مارچ کا اعلان کرینگے اور دس لاکھ کے بدلے میں بیس لاکھ بندے لائیں گے، پھر کیا ہوگا ؟ کسی نے عمران خان سے یہ

پوچھا ہے؟؟

میں حیرت سے اُن کی طرف دیکھ رہا تھا اور پوچھنے لگا کہ بھائی ! نواز شریف صاحب بھی پچھلے حکومتوں کے خلاف اس قسم کے دھرنوں کا اعلان کرتے اگر آج عمران خان کرتا ہے تو آپ لوگوں کو کیوں برا لگتا ہے؟ مجھے یقین تھا کہ اس سوال کا جواب یاسر کے پاس نہ ہوگا لیکن اس نے مجھے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اُس وقت کی بات اور تھی، اُس دور کی حکومت اور آج کی حکومت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نواز شریف صاحب ملک کی خوشحالی اور ترقی کیلئے ایسا کرتا تھا جبکہ آج کل لوگ اپنی ذات اور پارٹی کیلئے کرتے ہیں۔

میرے ایک سوال کہ عمران خان کے بقول اس حکومت میں مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے، کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ الیکشن کے بعد مہنگائی کا آنا کوئی نئی بات نہیں ہے، اسے قابو میں لانے کیلئے وقت درکار ہوتا ہے جو عمران خان صاحب نہیں چاہتے کہ پاکستان مسلم لیگ نون کو ملے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر مسلم لیگ نون اپنا پانچ سالہ حکومت پوری کریں تو پھر اس کو کون ووٹ دیگا، خان صاحب نے خیبر پختونخوا میں کونسی تبدیلی لائی ہے جو اب ملک میں تبدیلی لانے کی باتیں کر رہے ہیں، خان صاحب تبدیلی کیلئے

پانچ سال مانگ رہے ہیں اور دوسروں کیساتھ ایک سال کا حساب کرتے ہیں۔
انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان آج کل جس مشکل حالات سے گزر رہا ہے، یہ آج سے شروع نہیں ہوا بلکہ یہ تو پچھلے چودہ سال کے ثمرات ہیں جو مارشل لاء اور پچھلی حکومت کی پیداوار ہیں، میں صرف اس بات پر حیران ہوں کہ اس وقت عمران خان صاحب کہا ں تھا جب مارشل لاء نے ملک کو گھیرا ہوا تھا اور جنرل پرویز مشرف صاحب آئین کے ساتھ کھیل رہا تھا، اس وقت عمران خان صاحب کہاں تھا جب زرداری نے ملک میں کرپشن اور لوٹ مار کا جمعہ بازار لگایا تھا اور ملک چاروں طرف دھماکوں کے اواز میں دفن تھا۔

اس وقت یاسر کی جذبات آسمان سے باتیں کر رہا تھا کہ میں نے ان کی باتوں میں دخل دیکر پوچھا کہ اُس وقت عمران خان نہ تو حکومت میں تھا اور نہ اپوزیشن میں، اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ ملک کو ترقی دینے اور ملک کیلئے کام کرنے کیلئے حکومت اور اپوزیشن میں ہونا ضروری نہیں ہوتا، خان صاحب پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے خلاف لانگ مارچ کرنا چاہتے ہیں، اگر خان صاحب ملک کی ترقی کیلئے سوچتا تو یہ لانگ مارچ مارشل لاء اور پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف ہوتا، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، آج جب انہیں کرسی نظر انے لگی تو وہ لوگوں کو بے وقوف بنا کر تبدیلی کی باتیں کر رہے ہیں۔

اور بھی ایسی بہت سوالات تھے جو میں یاسر سے کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے کہی جانا تھا۔ میں ان کی باتوں سے اس لئے متاثر ہوا کہ اسکی باتوں سچائی اور آنکھوں میں ایک سچا پاکستانی کی محبت تھی۔اب 14 اگست کو ہمیں کیا کرنا ہے یہ ہم پر انحصار کرتے ہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہمیں صرف اور صرف پاکستانی سوچ کر قدم اُٹھانا چاہئے کیونکہ پاکستان ہے تو ہم ہیں اور اگر پاکستان نہ رہا تو ہم بھی نہ رہینگے۔اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے ملک کی حفاظت کریں۔آمین

اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو۔۔۔۔۔

اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو آج اس مشکل وقت میں اُن کے ساتھ ہوتا۔اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو گھر میں آرام سے بھیٹنے اور ٹیلی ویژن دیکھنے بجائے ریڈ زون میں ہوتا، اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو صرف سوشل میڈیا پر انہیں سپورٹ نہ کرتا بلکہ اُنہیں ووٹ بھی دیتا،اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو گھر میں اپنے بزرگوں سے لڑنے بجائے انہیں باتوں سے قائل کرکے اپنی پارٹی کی طرف مائل کرتا،اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو کبھی تنقید کرنے والوں کو گالیاں نہ دیتا بلکہ انہیں بحث ومباحثہ سے مطمئن کرتا، اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو آزادی مارچ آنے سے صاف انکار کرتا نہ کہ اسلام آباد آنے کی جھوٹے وعدے کرتا، اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو جاوید ہاشمی صاحب کو نہ گالیاں دیتا اور نہ اُن کے پوسٹر جلاتا بلکہ ان کے فیصلے کا قدر کرتا۔وہ جاوید ہاشمی ، جب جماعت اسلامی کو چھوڑتے ہیں تو جماعت اسلامی کے کسی کارکن یا رہنماء کی طرف سے انہیں گالیاں نہیں دی جاتی، وہ جاوید ہاشمی ، جب مسلم لیگ (ن) کو چھوڑتے ہیں تو (ن) کے کارکن اور رہنماء دُکھی تو ہوجاتے ہیں لیکن ان کے پوسٹر کو جلاتے نہیں۔اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتا تو خان صاحب کو کبھی بُرا بھلا نہ جانے دیتا بلکہ انہیں لوگوں کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتا،اگر میں خان صاحب کا

حامی ہوتاتو سوشل میڈیا پر کسی صحافی کو گالیوں سے نہ نوازتا بلکہ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا، اگر میں خان صاحب کا حامی ہوتاتو پہلے سول نافرمانی سے انکار کرتا اور اگر اقرار کرتا تو اس پر عمل ضرور کرتا۔۔۔۔۔۔

ان سب باتوں کے باوجود میں کسی پارٹی کا کارکن نہیں بن سکتا کیونکہ میں ایک صحافی ہوں۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحافی کا نہ تو کسی پارٹی سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی کسی سیاستدان کا متوالا ہوتا ہے، وہ اپنے پیشے کی عزت کرتے ہوئے صرف سچ اور حق کا راستہ اختیار کرتا ہے، بات تب بگڑتی ہے جب کوئی صحافی سچ اور حق کا دامن چھوڑ کر، صحافتی قوانین توڑ کر کسی پارٹی یا سیاستدان کی جھوٹے وعدوں اور غلط کاموں کی پردہ پوشی میں لگ جاتے ہیں، لیکن ایسا بہت کم صحافی کرتے ہیں جن کی وجہ سے آج صحافت کا معزز پیشہ بدنام ہو رہا ہے۔

اب ایک خاص موضوع کی طرف آتا ہوں۔بعض دفعہ کسی پارٹی کے سپورٹرز صحافیوں کو اُن کے خلاف کچھ لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔اگر کوئی صحافی کسی پارٹی کے رہنماء کے خلاف ایسی بات کریں جو ان کے سپورٹرز کو گوارا نہ لگے تو پھر ان سپورٹروں کی طرف سے اس صحافی کو گالیوں کا تحفہ ضرور مل جاتا ہے،اب آپ بتائیں کہ جب کسی پارٹی کے سپورٹرز کسی صحافی کو گالیاں دیں تو پھر وہ

صحافی ان کے پارٹی کے حق میں کوئی بات کیسے کر سکتا ہے ؟؟؟

ایسا ہی ایک واقعہ کل سوشل میڈیا پر میرے ساتھ پیش آیا۔ میں نے ایک گروپ میں پوسٹ کیا کہ " اگر میں عمران خان صاحب کا حامی ہوتا آج گھر (Status) صرف مثبت میں نہیں بلکہ ریڈ زون میں ہوتا۔" پھر اس کے بعد کیا ہوا کہ خان صاحب کے وہ سوشل میڈیا سپورٹرز جنہیں واقعی ریڈزون میں اپنے لیڈر کے ساتھ ہونا چاہیے تھا، نے مجھ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ انہوں نے میرے لئے وہ الفاظ استعمال کیے جن سے کبھی میرا واسطہ نہیں پڑا تھا، میں انہیں جواب دینا چاہتا تھا لیکن دو وجوہات کی بنا پر میں خاموش رہا۔ ایک یہ کہ میری وجہ سے کسی صحافی کا نام بدنام نہ ہو جائے اور دوسری بات کہ میں ایک فلسفے پر

(you will never reach your destination if you stop and throw stones at every dog that barks) عمل کرتا آ رہا ہوں۔

میرا پوسٹ منفی بھی نہیں تھا پھر بھی مجھے گالیوں سے نوازا جا رہا تھا۔ میں نے کئی بار اپنے کالموں کے ذریعے جناب نواز شریف کو مثبت تنقید کا نشانہ بنایا ہے لیکن کبھی یاسر عباسی، سردار سعود اور مسلم لیگ (ن) کے سپورٹرز نے مجھے گالیاں نہیں دی۔ اب میں سمجھ گیا کہ لوگ مسلم لیگ (ن) سے اتنے متاثر کیوں ہیں۔

اس کے علاوہ سوشل میڈیا پر اکثر صحافیوں کو نازیبا الفاظ سے یاد کئے جاتے ہیں جو ایک مہذب قوم کے منہ پر کالا دھبے کے مترادف ہے۔ وہ صحافی جنہوں نے جمہوریت کیلئے بہت تکالیف برداشت کیں، وہ صحافی ، جنہیں نہ تو دھوپ کی پروا ہوتی ہے اور نہ سردی اور بارش کا خوف ہوتا ہے۔ آپ لوگ اپنے غیر اخلاقی کاموں کا مظاہرہ کرتے رہو اور ہم صحافی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ دیکھتے ہیں فتح کس کی ہوتی ہیں۔

ہم عوام

اتحاد، اتفاق اور یکجہتی کا عالگیر اُصول خیرت انگیز طورپر کایئنات کے ایک ایک ذرے میں کارفرما ہے۔انسان ہو یا حیوان، پانی کا معمولی سا قطرہ ہو یا ریت کا حقیر سا ذرہ، کایئنات کا ہر شے اتحاد، اتفاق اور یکجہتی کی اہمیت کا گواہی دیں رہا ہے۔ یہ ایک مُسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جن اقوام نے اتحاد، اتفاق اور یکجہتی کا فلسفہ اپنایا انہوں نے ترقی بھی پائی اور جن اقوام نے اس فلسفہ سے روح گردانی کی، وہ ذلیل و رسوا ہوئے ہیں۔

محمد جاوید اقبال صدیقی فرماتے ہیں کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جسے اگر مسجدوں، درگاہوں، خانقاہوں اور صوفیوں کا ملک کہا جائے تو شائد غلط نہ ہوگا۔ملک کا کوئی گوشہ، کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں عبادت گاہوں کا وجود نہ ہو۔یہ وہ ملک ہے جہاں بھانت بھانت کے لوگ صدیوں سے رہتے اور بستے آ رہے ہیں۔ یہ طرح طرح کی بولیاں بولتے ہیں۔ طرح طرح کے مذہب، تہذیب وتمدن سے تعلق رکھتے ہیں مگر ایک دوسرے کا اختزام، محبت اور بھائی چارہ ان کی پہچان تھا۔۔۔

آج کل ہمارے پیارے ملک کو بہت سے مسائل درپیش ہیں اور واضح ہے کہ یہ مسائل ابھی سے نہیں بلکہ پاکستان کی آزادی سے شروع ہوئے ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ 67 سال بعد بھی یہ مسائل حل نہ ہوئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم عوام اور ہمارے سیاستدانان صاحبان ابھی تک اپنی ذات اور اپنے مفادات سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔اپنی جیت، کرسی اور پارٹی کے لئے ایک ہو سکتے ہیں لیکن جب بات پاکستان پر آجاتی ہے تو ملا کی دوڑ مسجد تک کے فلسفہ پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہمارا بھی یہی حال ہیں۔ہم عوام بھی ابھی تک ایک نہ ہو سکے۔جب بات پٹھان بھائیوں کی ہوتی ہے تو لوگ یہ نہیں کہتے کہ پاکستانی ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ یہ پاکستان تحریک انصاف والے ہیں۔پنجابی بھائیوں کو پاکستان مُسلیم لیگ (ن) سے یاد کئے جاتے ہیں۔سندھی کو ایم کیو ایم اور پی پی پی جبکہ بلوچیوں کا سن کر ذہن میں ایک یتیم بچے کا خیال آجاتا ہے۔قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں کا تو کوئی ذکر نہیں کرتا اور ہم صرف اور صرف پاکستانی ہیں کے قول پر بھی کوئی عمل پیرا نہیں۔۔۔۔

پاکستان کے دشمن اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ اگر پاکستانی عوام ایک ہو گئے تو وہ کسی بھی دشمن کو آسانی سے شکست دے سکتے ہیں۔اس لئے ہر ملک یہی چاہتا ہے کہ اس عوام کو کسی نہ کسی طریقے سے ایک دوسرے سے دور رکھے۔وہ ایسا کرنے کیلئے طرح طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہ اس مقصد

میں کامیاب ہوجائے کیونکہ ہم خود ایک دوسروں سے اتنے دور گئے ہیں کہ اب کسی بیرونی دشمن کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ہمیں کیوں یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ چار مخالف مذہب کے ممالک بھارت، اسرائیل، روس اور امریکہ ہمارے وطن کو توڑنے کیلئے ایک ہوگئے ہیں تو کیا ہم مہاجر، سندھی، بلوچی، پٹھان اور بنجابی اپنے وطن کی حفاظت اور بقا کیلئے ایک نہیں ہو سکتے ؟جبکہ ہمارا مذہب ایک، اللہ ایک، قران پاک ایک اور قبلہ بھی ایک ہے۔لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان سب چیزوں کے باوجود ہم آج تک ایک نہ ہوسکے۔جس ملک کو آزاد کرنے کیلئے ہمارے بُزرگوں نے اپنے تن، من، دھن کی قربانیاں دی ہیں اُسی ملک کو ہم بعض وعناد اور اختلاف و انتشار سے کھونا چاہتے ہیں۔کیا قائد اعظم محمد علی جناح ایسا پاکستان چاہتے تھے ؟کیا شاعر مشرق علامہ محمد اقبال اسطرح کے عوام کو شاہین کہنا پسند کرتے تھے ؟اگر نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم آج تک ایک نہ ہوئے ؟؟کیا ہم نے سقوط ڈھاکہ سے کچھ نہیں سیکھا؟؟

ہمیں آج ہی اپنے اعمالوں کا رونا رونا ہوگا، اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا ہوگا۔اپنے اندر کے اختلافات کو دور کرنا ہوگا۔اپنے ملک کو اپنی ذات اور مفادات پر ترجیح دینا ہوگا۔پھر ہمارے سارے مسائل جو 67 سال سے ابھی تک حل نہ ہوئے، کیسے حل نہیں ہو سکتے ۔سب کچھ ٹھیک ہو سکتے ہیں اگر ہم ان باتوں پر خود عمل کرکے دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی تلقین دیں۔پھر ہم سچ میں

اقبال کا پاکستان پا سکتے ہیں جہاں اسلام کا قانون ہوگا، امن وامان ہوگا، روزگار ہوگا اور جان ومال کی حفاظت ہوگی۔اللہ تعالی ! ہمارے دلوں کے بغض وعناد اور اختلاف وانتشار دور کرکے ہم سے وہ کام لیں جس میں اسلام اور پاکستان کا فائدہ ہو۔۔۔

اینٹی کرائم اینڈ اینٹی ٹیررزم آف پاکستان

آج کل ہمارا پیارا ملک ایک مشکل اور نازک دور سے گُزر رہا ہے۔ایک طرف دہشت گردی عروج پر ہے تو دوسری طرف کرپشن اور لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ایک طرف سے دھماکوں کی اوازیں آ رہی ہیں تو دوسری طرف رشوت کی بدبو نے ملک کو چاروں اطراف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔دیکھتا ہوں کہ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے ، سوچتا ہوں کہ زیادہ پُرانی بات نہیں کہ جب رشوت سے افسران کو نفرت ہوتی تھی، ناجائز اسلحہ رکھنے والے کو بُرا سمجھا جاتا تھا۔چوری، قتل اور لوٹ مار کرنے والے کو پکڑ جانے کا خوف ہوتا تھا، سکولوں میں اساتذہ کا احترام کیا جاتا تھا، زنا، شراب اور جوا جیسی بُری عادات قابل نفرت تھی۔پردیسی اور مسافروں کے ساتھ ہمدردی کی جاتی تھی، ملاوٹ کرنا اور دھوکہ دینا غیر اخلاقی جُرم سمجھا جاتا تھا۔رزق حلال فخر اور رزق حرام قابل نفرت تھا،ظالموں کی سرکوبی جبکہ مظلوم کی داد رسی کی جاتی تھی، عورتوں کا احترام اور بُزرگوں کی عزت کی جاتی تھی۔اب سب کچھ ختم ہوگیا۔قدریں تبدیل ہو کر رہ گئیں۔۔۔۔۔

جب جرائم عروج پر ہو، جب شہریوں کو ان کا حق اور انصاف نہیں مل رہا ہو، جب جرائم اور دہشت گردی کیخلاف لوگ کسی ادارے کو کچھ بتانے سے ڈر محسوس کرتے

ہو،جب پولیس اور عوام کے درمیان دوستانہ ماحول نہ ہو،جب تھانوں میں قیدیوں کیساتھ غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہو تو اس دوران عوام مایوسی کے شکار ہوتے ہیں اور ان کے حوصلے پست ہوتے جارہے ہیں۔

اسی دوران لوگوں کو ان کی اُمیدیں اور حوصلے دوبارہ واپس لانے اور بلندی پر لے جانے کیلئے کئی نام اُبھر آتے ہیں، جن کی کوششوں اور محنت سے ایک ایسے ادارے کا قیام ہوتا ہے جو گورنمنٹ اور آرمی کے ساتھ ملکر کام کرنے کیلئے کمربستہ ہوجاتے ہیں اور ایک ایسا ادارہ قائم کردیتا ہے جو ہمارے پیارے ملک پاکستان کو جرائم اور دہشت گردی کو صاف کرنے کا عزم رکھتا ہے۔اُن کی محنت، لگن اور کوشش ایک سماجی تنظیم کا کے نام (ACAT) شکل اختیار کرتا ہے جو اینٹی کرائم اینڈ اینٹی ٹیررزم آف پاکستان سے یاد کیا جاتا ہے۔ان عظیم ناموں میں ایک نام شیخ اویس زاہد (چیئرمین آف اینٹی کرائم اینڈ اینٹی ٹیررزم آف پاکستان) جبکہ دوسرا نام عمران علیم (صدر آف اینٹی کرائم اینڈ اینٹی ٹیررزم آف پاکستان) ہے۔

پاکستان کا واحد ادارہ ہے جس کا، (ACAT) اینٹی کرائم اینڈ اینٹی ٹیررزم آف پاکستان اس عہد کے ACAT مقصد معاشرے سے جرائم اور دہشت گردی کی روک تھام ہے۔
ساتھ کام کرے گی کہ جرائم اور دہشت گردی کی لعنت کو قانون نافذ کرنے والے

ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر ملکی مفاد ACATادارے اور عوام کیساتھ ملکر ختم کرے گی۔
ہر شہری کو اس کا حق اور انصاف دلانے کیلئے کوشاں ACAT کی خاطر کام کرے گی۔
رہے گی، جرائم اور دہشت گردی کے خلاف وقتاً فوقتاً اگاہی مہم چلاتی رہے گی، غریب
مقدمہ باز لوگوں کو مالی امداد فراہم کرے گی، عوام اور قانون نافذ کرنے والوں
اداروں کے درمیان دوستانہ ماحول پیدا کرے گی، تھانے میں جو غیر انسانی سلوک ہوتا
ہے اس کی روک تھام کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی، جیل کی قیدیوں کی حالت
دریافت کرے گی اور بے سہارا ناجائز پھنسے قیدیوں کی قانونی اور مالی مدد کرے گی
اورفرقہ واریت کو ختم کرنے اور تمام مذاہب میں ہم آہنگی پیدا کرے گی۔
یہ ادارہ اینٹی کرائم اینڈاینٹی ٹیررینزم آف پاکستان، ہمیں ہمارافرض سکھاتا ہے کہ ہم
مظلوموں، کمزوروں، غریبوں، بیواوں، معذوروں، بے سہاروں، بھوکوں، بے
علموں، بے بسوں اور بے کسوں کی مدد کریں اور اگر کسی بھی سرکاری ملازم یا آفسر نے
آپ سے رشوت طلب کی ہے یا پہلے سے لے چکا ہے تو ثبوت کیساتھ فوری اطلاع
کریں۔انشاءاللہ اس کے خلاف کاروائی عمل میں لائی جائے گی اور آپ کو انصاف مہیا کیا
جائے گا۔۔

بشکریہ شیخ اویس (چیئرمین ACAT) اینڈ عمران علیم (صدر ACAT)

پاکستان کی بہتری اور خوشحالی کیلئے

پاکستان دُنیا کی پہلی ریاست تھی جسے لاالہ اللہ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا، اس کلمہ طیبہ کی بنیاد پر پاکستان کی تمام بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں میں اُخوت وبھائی چارگی تھی۔ عوام میں دینداری، ایمانداری اور سچائی تھی۔ لیکن آج کل ایسا لگتا ہے کہ یہ ساری باتیں ماضی کے ساتھ ختم ہوچکی ہیں کیونکہ آج کا پاکستان بکھر رہا ہے یا اسطرح کہہ سکتے ہیں کہ بکھر چکا ہے۔اب تو دینداری کے بجائے سیکولرزم نظر آرہا ہے،آج پاکستان میں پاکستانی کم اور پنجابی، سندھی، بلوچی، مہاجر اور پٹھان زیادہ ہیں۔لسانیت ، صوبائیت، فرقہ واریت، پارٹی بازی، تو تو میں میں اور دہشت گردی کا راج ہے۔اب ہم پاکستان کی حقیقی روح کو کیسے ڈھونڈیں گے ؟ لاالہ اللہ محمد رسول اللہ کو کیسے نافذ کرنا ہے اور تحمل وبرداشت، اُخوت وبھائی چارگی اور عدل وانصاف کو دوبارہ کیسے قائم کرینگے ؟

کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہمارے پیارے مُلک میں دن بدن جرائم اور دہشت گردی کیوں بڑھتی جارہی ہے؟ شائد جواب نفی میں ہوگا۔۔۔۔میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہم نے ساری ذمہ داریاں قانون نافذ کرنے والے اداروں پر چھوڑ دیئے ہیں اور خود اپنی ذمہ داریاں بخوبی نہیں نبھاتے۔حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں قانون بھی

ہے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی ہیں لیکن کمی اس بات کی ہے کہ ہم عوام ان اداروں اور قانون کی مدد نہیں کرتے۔جب تک عوام خواب خرگوش سے بیدار نہیں ہوتا تب تک نہ تو ہم جُرم کو روک سکتے ہیں اور نہ ہی دہشت گردی پر قابو پا سکتے ہیں۔ان دو چیزوں کو قابو میں نہ کرنے کی صورت میں ہم مضبوط اور روشن پاکستان کا تصور نہیں کر سکتے۔

دہشت گردی اور جرائم کے خاتمے کیلئے ہمارے ملک میں ایک ایسا ادارہ کمر بستہ ہوا جو چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر عوام سے پاکستان کی مضبوطی اور بہتر مستقبل کیلئے مدد مانگ رہا ہے، کہ آئیں ہمارے ساتھ چل کر دہشت گردی اور جرائم سے اپنے ملک کو صاف کریں۔بہت سے لوگوں نے اس آواز پر لبیک کہا اور یہ ارادہ کیا کہ ہم ہر حال میں اس ادارے کا ساتھ دینگے۔ان لوگوں میں ایک نام سجاد صفدر صاحب کا بھی آتا ہے۔

سجاد صفدر صاحب جو اب ڈپٹی ڈائریکٹر پاکستان (اینٹی کرائم اینڈ اینٹی ٹیریزم آف پاکستان) ہے، کہتے ہیں کہ جب میں نے اس ادارے کا نام سُنا تو دل میں اپنی ملک کیلئے کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، سوچنے لگا کہ کیوں نہ میں اس ادارے اور اس میں کام کرنے والے لوگوں کے بارے میں پڑھوں اور ان کا ساتھ دوں۔جب میں اوراق ٹٹولے اور ریسرچ کیا تو حیران ہوگیا، آسمان کی طرف دیکھا

اور دل میں کہنے لگا کہ یا اللہ واقعی یہ دُنیا نیک اور اخلاص مند لوگوں کی وجہ سے آباد ہے اور ہمارا پیارا مُلک بھی ایسے ہی لوگوں کی خلوص اور محنت سے قائم ودائم ہے۔اُسی وقت میں نے ان لوگوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا اور سوچا کہ میں تو کبھی پاکستان میں ہوتا ہوں اور کبھی آسٹریلیا میں، مگر پھر بھی میں پاکستان کو جرائم اور دہشت گردی سے نکالنے کیلئے بھرپور ساتھ دونگا اور ان لوگوں کے کندے سے کندہ ملا کر ہر اچھے اور بُرے وقت میں پاکستان کی روشن مستقبل کیلئے کوشاں رہوں گا اور باقی زندگی اس ادارے کا ساتھ دیکر ملک کی خدمت کروں گا۔

اب بات یہ ہے کہ ہم کیوں ایسے لوگوں کو خراف تحسین پیش نہ کریں؟ کیوں اور کیسے اُن جیسے لوگوں کی جذبات اور نیک خواہشات کی قدر نہ کریں؟ ہمیں ایسی لوگوں کی قدر کرنی چاہئے جو اپنے ملک کی روشن مستقبل کیلئے اپنی زندگی وقف کرے۔ہمیں چاہئے کہ ہم سب سجاد صفدر کی طرح سوچیں اور دہشت گردی اور جرائم سے اپنے پیارے مُلک کو صاف کرنے کیلئے اینٹی کرائم اینڈ اینٹی ٹیریرزم آف پاکستان کا ساتھ دیں۔اگر ہم ایسا کریں، قانون نافذ کرنے والے اداروں کیساتھ تعاون کریں تو پھر ہم حقیقت میں ایک خوشحال، جرائم سے پاک اور مضبوط پاکستان پا سکتے ہیں۔۔۔اللہ تعالی ہم سب سے پاکستان کی بہتری اور خوشحالی کا کام لیں اور ہمارے دلوں میں سجاد صفدر کی طرح جذبہ پیدا کرے۔آمین

فرقہ واریت اور انتشار واختلاف

ہلاکو خان ایل خانی حکومت کا بانی اور منگول حکمران چنگیز خان کا پوتا تھا۔اس نے ہمیشہ اسلام دشمن حکمت عملی اپنائی۔منگوخان کے زمانے میں شمال مغربی ایران میں ایک اسماعیلی گروہ ''حشاشین'' نے بڑا ہنگامہ اور خونریزی شروع کردی، یہ علاقہ منگولوں کی زیر حکومت تھا،اس لئے وہاں کے باشندوں نے منگوخان سے اس ظلم وستم کے خلاف فریاد کی، منگوخان اس شکایت پر اپنے بھائی ہلاکو خان کو1256ء ایران کا حاکم بنا کر روانہ کیااور اس کو اسماعیلیوں کے خلاف کاروائی کرنے کا حکم دیا۔ ہلاکو خان نے اسی سال اسماعیلیوں کے مرکز قلعہ الموت پر قبضہ کرکے اسماعیلی حکومت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کردیا اور ان کے آخری بادشاہ خورشاہ کو قتل کردیا۔

اسماعیلیوں کا زور توڑنے کے بعد ہلاکو خان نے بغداد کا رُخ کیا جو اس زمانے میں شیعہ سُنی فساد کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اُسی رات بھی فرقہ پرست مسلمان مناظروں میں مصروف تھے، ایک دوسرے کو کافر قرار دینا مذہبی فریضہ سمجھ کر ادا کر رہے تھے۔ صبح جب منگول بغداد میں داخل ہوئے تو انہوں نے شیعہ دیکھا نہ سُنی، اہل حدیث دیکھا نہ ہی حنفی، انہیں سب مسلمان نظر آئے اور بلا تفریق ہر ایک کو بے

دریغ قتل کیا۔

! یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لیں مجھ سے حافظہ میرا

اس کے علاوہ مسلمانوں کو فرقہ واریت، اختلاف اور انتشار کی وجہ ہر جگہ اور ہر دور میں بہت نقصان اٹھانے کا سامنا کرنا پڑا لیکن پھر بھی ہم مسلمانوں نے تاریخ سے کچھ نہیں سیکھا۔ مجھے ان سب کا علم نہیں تھا اسلئے میں نے بڑی کوشش کی کہ قران پڑھ کر خود کو سنی ثابت کروں مگر ناکام رہا، میں نے تمام قرانی سورتیں پڑھیں مگر مجھے نہ کوئی شیعہ ملا، نہ بریلوی، نہ دیوبندی اور نہ ہی اہلحدیث۔ میں نے کوشش کی کہ اسوۂ محمد ﷺ کو پڑھ کر اپنے آپکو کسی فرقے سے جوڑوں مگر یہاں بھی مجھے ناکامی ہوئی، ہر جگہ ماسوائے ایک مسلمان (مسلم) کے اپنی کوئی دوسری پہچان نہ ملی، اگر فرقے کا کہی ذکر آیا بھی تو رد کرنے کے انداز میں، ایک گناہ، ایک تنبیہ کی حیثیت سے، ان سب واضح احکامات کے باوجود آج ہم مسلمان کے علاوہ شائد سب کچھ ہیں، ہم فرقوں میں اس قدر بُرے طرح بٹ گئے کہ ہماری اصل شناخت ہی ختم ہو گئی۔

غلامان امریکہ اور دیگر غیر مسلم قوتیں مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور انتشار کو ہوا دے رہے ہیں، جن کا مقصد سامراجی عزائم کی تکمیل ہے۔ اسلام کے دشمن اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ اگر مسلمان ایک ہو گئے تو کسی بھی دشمن کو

آسانی سے شکست دے سکتے ہیں،اس میں کوئی شک نہیں کہ اتحاد واتفاق مسلمانوں کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

اسلام نے لوگوں کو اتحاد اور ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونے کی دعوت دی ہے۔قرآن کریم نے واضح رہنمائی کے ذریعے تمام انسانوں کو توحید کے اسلاک پر جمع ہونے کی سفارش کی ہے اور تفرقہ کو راہ مستقیم سے دور ہونے کا سبب قرار دیا۔قرآن کریم میں ارشاد ہے

ترجمہ '' اوراللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھواور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو''

کیا مسلمان اس ارشاد پر عمل پیرا ہے ؟ یقینا جواب نفی میں ہوگا۔دنیا میں 58 مسلم ممالک ہیں، ان کی خدا ایک، کلمہ ایک، رسول ایک اور قرآن بھی ایک لیکن فرقہ واریت، اختلاف وانتشاراور تعصب کی وجہ سے ہر ملک دوسرے ملک کے وجود تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ جبکہ سب جانتے ہیں کہ

ایک ہی مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکرتابخاک کاشغر

ہم مسلمانوں کو آج ہی ایک ہونا ہوگا،اپنے اعمالوں کا رونا رونا ہوگا،اپنی

غلطیوں کا اعتراف اور انہیں صحیح کرنا ہوگا ورنہ۔۔۔۔ہم یونہی کٹتے مرینگے، رسوا ہوتے رہینگے، ذلیل اور خوار ہوتے رہینگے۔اگر ہم آج بھی خواب خرگوش سے بیدار نہ ہوئے تو جسطرح ہسپانیہ سپین بنایا گیا تھا ٹھیک اُسی طرح مستقبل قریب میں کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ بنے گا، فلسطین اسرائیل کے قبضے میں آئے گا، افغانستان عیسائیستان بنے گا اور پتہ نہیں کہ ہمارا پیارا ملک پاکستان کونسا ستان بنے گا؟؟؟؟؟

برما میں خون کی ہولی

برما میں اقلیتی مسلمان آبادی بدھا بھگشو کے پیروکاروں کے رحم و کرم پر ہے اور اقوام متحدہ، اسلامی تعاون تنظیم سمیت دنیا کا کوئی ذمہ دار ادارہ مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی کی روک تھام میں مسلسل ناکام رہے۔ایک رپورٹ کیمطابق برما میں مسلمانوں پر مظالم نئی بات نہیں لیکن مسلم آبادی کے اجتماعی قتل عام کا آغاز اُس وقت سے شروع ہوا جب بنگلہ دیش نیا نیا پاکستان سے جُدا ہوا تھا، برما اور بنگلہ دیش کے درمیان مسلمانوں کو ایک دوسرے کی حدود میں دھکیلنے پر ایک تنازع پیدا ہوا، بنگلہ دیش برما کے مہاجرین کا بوجھ اُٹھانے کو تیار نہیں تھا جبکہ برمی حکومت مسلمانوں کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھی، 1992ء میں دونوں ملکوں کے درمیان اقوام متحدہ کی وساطت سے ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت بنگلہ دیش میں موجود تمام مسلمان مہاجرین کو واپس میانمار (برما) منتقل کرنے پر اتفاق کیا گیا تھا، اُس وقت ڈھائی لاکھ برمی مسلمان پناہ لیے ہوئے تھے۔معاہدہ کرنے باوجود برمی حکومت مسلمانوں کو برما میں رکھنا نہیں چاہتی اور جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد واپس برما چلی گئی تو برما حکومت نے سول اور ملٹری ملیشیا کے ذریعے مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ شروع کر دیا۔۔

اس کے بعد 2013ء میں برما میں قتل عام کا نیا سلسلہ شروع ہوا، میڈیا اور بعض نام نہاد صحافی اس قتل عام کو فرقہ وارانہ فسادات کہ کر اصل بات کو فراموش کیا جبکہ حقیقت تو یہ تھا کہ برما میں بدھا کے پُر امن پیروکاروں کو بیرونی اشاروں پر مسلمانوں کے قتل عام پر اُکسایا جاتا تھا، قتل عام میں نہ صرف بدھ مذہب کے انتہا پسند شامل تھیں بلکہ فوج، پولیس اور ریاستی ادارے بھی بڑ گٹ چرح کر حصہ لیتے تھے۔

آج کل ایک بار پھر برما کے مظلوم مسلمانوں پر مظالم کا نیا سلسلہ جاری ہے، کئی دنوں پر سوشل میڈیا پر مختلف قسم کی تصاویر دیکھنے سے دل میں برما کے مسلمانوں کیلئے کچھ لکھنا چاہتا تھا لیکن ذہن اتنا منتشر ہو چکا تھا کہ کچھ بھی لکھنے میں ناکام رہا، آج ایک پوسٹ نے مجھے کچھ لکھنے کا حوصلہ دیا، گزشتہ دنوں سے ایک تصویر نظر سے گزری، سبز رنگ کی ایک سمندری کشتی جس کی لکھڑی سے سے بنی سطح پانی میں رہ رہ کر پھلسن زدہ محسوس ہو رہی تھی، دو ربڑ کے ٹائر اس سے لٹک رہے تھے، شائد ایمرجنسی بوٹس کے طور پر لٹکا رکھے ہوں گے، کشتی میں عمر کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے انسان نما چیزیں سوار تھیں، ادھ ننگے جسم، ہڈیاں یوں جیسے ابھی چمڑی پھاڑ کر باہر کھ آئیں گی، چہروں پر خوف اور پریشانیاں عیاں تھا، اُن میں سے کچھ کشتی کے ساتھ لٹکتے ان ٹائروں سے لٹکے ہوئے تھے اور اُن میں سے ایک نیچے اس ہیبت ناک ، سیاہ اور الودہ

پانی میں۔۔۔۔۔۔۔ تصویر کے نیچے درج تھا، روہنگیا مسلمانوں کی کشتی جسے ملائیشیا نے اپنے ساحلوں پر اُترنے کی اجازت نہ دی، تفصیل پڑھی تو معلوم ہوا کہ برما کے روہنگیا مسلمانوں کی یہ کشتی کئی دنوں سے بحرہ انڈمان میں بھٹک رہی ہے کیونکہ قریبی ممالک جن میں ملائیشیا اور انڈونیشیا بھی شامل ہیں، انہیں اپنے ملک میں رکھنے کو تیار نہیں۔۔۔۔۔

تو یہ بھی مسلم ممالک ہیں جو دوسرے ملک کے مسلمانوں کی کشتی کو اپنی ملک میں جگہ دینے کو تیار نہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں ایسا کرنے پر غصہ سے خراج تحسین پیش کروں یا انگشتہ بدنداں ہو جاؤں؟؟؟

برما میں مسلمانوں کی خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے اور تمام مسلم ممالک انہیں پناہ دینے سے انکار کرتے ہیں، اُن کو پکڑ پکڑ کر آگ کے الاؤ میں پھینکا جا رہا ہے اور اقوام متحدہ خاموش تماشائی بنے بھیٹا ہے، عورتوں اور بچوں کو نہایت بے دردی کیساتھ دریاؤں میں کودنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور میڈیا کو ہالی ووڈ فلم کی کامیابی اور ناکامی کی پڑی ہے، وہاں کے مسلمانوں کو اجتماعی قبروں میں زندہ درگور کرنا اور زخموں سے چور تڑپتے لاشوں پر رقص کرنا کسی بھی مہذب دُنیا اور تہذیب میں روا نہیں ہو سکتا لیکن انسانی حقوق کے علمبردار خواب خرگوش میں مُبتلا ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کب ہماری ماؤں کی کھوک سے محمد بن قاسم جنم لیگا جو مظلوم مسلمانوں کیلئے دشمن کو ملیا میٹ کرنے کیلئے کافی ہو، کونسے ملک سے احمد شاہ ابدالی پیدا ہوگا جو دشمن سے برما کو ہمیشہ کیلئے خالی کرا دیں، کب ہماری سرزمین سے وہ پھول کھلے گا جو اپنی مہک سے مسلمانوں میں اتحاد واتفاق قائم کریں جو برما کے مسلمانوں کی مدد کریں۔۔۔۔اللہ تعالیٰ برما کے مسلمانوں کی مدد کریں اور انہیں دشمن سے بچائے رکھے۔آمین

بلدیاتی انتخابات اور یاسر عباسی

ویسے تو میں اکثر عافیہ صدیقی، اسلام اور دہشت گردی، اتحاد و اتفاق اور ہم سب صرف اور صرف پاکستانی ہیں کے موضوعات پر لکھتا ہوں لیکن کبھی کبھی میرا قلم پاکستان میں ہونے والی تبدیلی اور مثبت کاموں کی تعریف کرنے کیلئے اٹھتا ہے جسکی وجہ سے مسلسل تنقید کی زد میں رہتا ہوں، مسلہ یہ ہے کہ ہم پاکستانیوں کو کسی کی تعریف راس نہیں آتی کیونکہ میڈیا نے ہمیں سنسنی خیز خبروں کے عادی بنا دیئے ہیں، ہم سوچتے ہیں کہ کوئی بھی سیاستدان اور حکمران ٹھیک نہیں ہوتا حالانکہ ہمارا سوچ کسی حد تک ،کے سوا ٹھیک نہیں۔۔۔۔ کسی سیاستدان یا حکومت کی جائز تعریف کرنا کوئی غلط کام نہیں ہے، پھر بھی اگر اپنی ملک کی تعریف کرنا یا ملک میں ترقیاتی کاموں کو داد دینا جرم ہے تو میں مجرم سہی اور میں اس بات کا کوئی پروا نہیں کرتا لیکن مجھے افسوس ان لوگوں پر آتا ہے جو خود تو کچھ نہیں کر سکتے اور دوسروں کو بھی کچھ کرنے نہیں دیتے۔۔۔۔

یہ سب باتیں لکھنا اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے اندازہ ہے کہ اس کالم کو پڑھنے کے بعد بھی لوگ مجھ پر تنقید کرتے نظر آئینگے۔ تنقیدوں کا یہ سلسلہ مجھ پر 5 جولائی 2014 میں اُس وقت شروع ہوا جب میں نے ’’ آزادی مارچ اور یاسر

عباسی'' کے موضوع پر ایک کالم لکھا، اُس میں ، میں نے لکھا تھا کہ دھرنہ، لانگ مارچ وغیرہ وغیرہ سے وفاقی حکومت کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، نقصان ہوگا صرف پاکستان کا اوراُن لوگوں کا جو اس لانگ مارچ کا حصہ بنے گا، اُس وقت لوگوں نے مجھے گالیوں سے نوازا، بعد میں پتہ چلا کہ میں غلط نہیں تھا، اُس دھرنہ سے لوگوں اور ملک کا نقصان ہوا اور کچھ نہیں۔ میں آج اسلام آباد میں پہلی بار ہونے والی بلدیاتی انتخابات پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ خیر آمدم بر سر مطلب

اسلام آباد میں الیکشن کیا آئے، سب امیدواروں نے نوجوانوں کو راغب کرنے کے لئے طرح طرح کے وعدے شروع کر دیے۔ جوں جوں الیکشن نزدیک ہوتا جارہاہے، ساری پارٹیوں کے اُمیدواروں، کارکنوں اور عام عوام میں ایک عجیب سا جوش نظر انا شروع ہوجاتاہے۔ سیاستدانان اپنے اپکو مضبوط کرنے کے لئے طرح طرح کے سیاسی ڈرامے اور اپنے بُرے کارناموں کو چھپانے کی کوشش میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ دوسرے پارٹیوں کے اُمیدواروں کی بُرائیاں اور اُن پر طرح طرح کے الزامات اور سیاسی حملے شروع کر دیتے ہیں۔ آج کل وہی سب کچھ اسلام آباد میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ الیکشن کمیشن کی طرف سے آئیندہ 16 یا 17 جون پر الیکشن کیلئے تاریخ کا اعلان کیا جائیگا البتہ کچھ NA 48-49 کو لوگوں کا کہنا ہے کہ 25 جولائی کو انتخابات ہونگے۔ اسلام آباد میں یونین کونسلز پر تقسیم کیا 79

گیا ہیں، جسمیں ہر یونین کونسل میں ایک چئیرمین، ایک وائس چئیرمین، چھ جنرل کونسلرز، دو لیڈیز کونسلرز، ایک یوتھ اور ایک لیبر کونسل ہوگا۔

میرا ایک دوست یاسر عباسی، جن کو میں برسوں سے جانتا ہوں اور ایک دو بار اُن کا ذکر بھی کیا ہے، کو بھی G11 , UC 61 سے چئیرمین نشست کیلئے منتخب کیا گیا ہے، اُن کا تعلق پی ایم ایل این سے ہے، گزشتہ روز اُن کی کال آئی اور وہ مجھے سارا قصہ سُناتا رہا اور میں خاموشی سے سُنتا رہا، اصل میں بات یہ ہے کہ میں اس بھائی کو بہت تنگ کرتا ہوں، میں پی ایم ایل این پر تنقید کرتا ہوں اور وہ مسلسل اپنی دلائل سے مجھے غلط ثابت کرنے کی کوشش میں رہتا ہے، اُن کی سوچ اور بات کرنے کی انداز میری سمجھ سے باہر ہے کیونکہ جب بھی میں کسی پارٹی پر تنقید کرتا ہوں تو اس پارٹی کے ورکرز کی باتیں سُن سُن کر میں مایوس ہو جاتا ہوں کیونکہ اُن کے پاس کچھ خاص دلائل نہیں ہوتے ۔ بس ادھر اُدھر کی باتیں کر کرکے جب ہار جاتے ہیں تو گالیوں کو اپنا بڑا ہتھیار یعنی ایٹم بم سمجھ کر پھینکنا شروع کر دیتے ہیں جبکہ یاسر عباسی اُن سب سے مختلف ہے، تو بات ہو رہی تھی کہ انہوں نے فون کرکے بتایا کہ " بھائی جب میں دس سال کا تھا تو میاں صاحب نے 1998ء میں ملک کو ایٹمی طاقت سے نوازا، اُس وقت ہم سکول میں تھے، مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے کہ سکول کی تقریب جو 28 مئی پہ منعقد کیا گیا تھا، میں نے ایک تقریر کی تھی۔اُس وقت سے میرا پی ایم ایل این سے وابستگی ہے، جب میں کالج گیا تو ایم ایس ایف کا صدر منتخب ہوا اور

بھرپور اپنی پارٹی کو وضع کیا، اُس وقت مشرف صاحب کا دور تھا مگر میں نے اس کی پروا کیے بغیر اپنی پارٹی کا پرچم تھامے رکھا۔ کالج دور سے لیکر آج تک بہت سی پارٹیوں کی طرف سے مجھے پیشکش آئیں کہ ہماری پارٹی میں شامل ہوجائے مگر میاں صاحب سے محبت اور ہمارے جسم میں دوڑتا ہوا خون شائد مسلم لیگ کا ہی ہے جو ہمیں اپنی پارٹی سے علیحدہ ہونے نہیں دیتا، پارٹی کیساتھ وابستگی کی وجہ سے بے شمار مشکلات سے گُزرنا پڑا، جیلیں بھی کاٹی، ایف آئی آرز بھی ہوئی، تقریبا 22 دن جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی مگر کبھی پارٹی سے غداری کا سوچا اور نہ ہی سوچیں گے، پارٹی نے پارٹی کیساتھ وابستگی اور خدمات کی وجہ سے مجھے یوتھ ونگ اسلام آباد کا جنرل سیکرٹری بنایا اور میں نے آج تک اس عہدے کا غلط استعمال نہیں کیا بلکہ یوتھ کے کام کو اپنا فرض سمجھ کر کیا۔ میں اپنی ساتھیوں کا بے حد شکرگُزار ہوں جنہوں نے میرا ساتھ دیا۔ میں شُکرگُزار ہوں ساجد عباسی صاحب کا اور انجم عقیل خان صاحب کا جو کہ میرے استادوں میں سے ہیں اور ہر وقت میری رہنمائی کرتے ہیں۔ یوتھ ونگ ساتھیوں کے جنون نے مجھے عزت بخشی اور ہر اچھے بُرے دور میں میرا ساتھ دیا۔"

انہوں نے اور بھی بہت باتیں کیں جو میں یہاں لکھنا مناسب نہیں سمجھتا لیکن یہ ضرور سمجھ گیا کہ اُس کی دل میں عوام کیلئے کتنا جگہ ہے اور وہ غریبوں، لاچاروں اور بے سہارا لوگوں کی کیسے اور کس حد تک مدد کرنا چاہتا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میں یاسر بھائی کو پہلے سے جانتا تھا لیکن یہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنی پارٹی سے کتنا محبت کرتا ہے اور خاص طور پر عام عوام کیلئے دل میں کیا سوچتا ہے، میں اُن کی اس جذبے کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ اگر وہ چئیرمین بن گیا تو حقیقت میں وہ چئیرمین نہیں بلکہ عوام کا خادم ہوگا اور غریب لوگوں کی خدمت اور اُن کے مسائل کو حل کرنا اپنا فرض اول سمجھ کر کریگا۔۔۔
قومیت، اور پارٹی بازی سے بالاتر ہو کر ہمیں صرف اور صرف پاکستان کی ترقی کیلئے کچھ کرنا چاہئے اور اپنی دل میں یاسر عباسی کی طرح جذبہ رکھنا چاہیے ، جسمیں عام عوام اور غریبوں کی بھلائی ہو۔۔۔

ایٹم بم وقت کی ضرورت یا پیسوں کا ضیاع؟

گزشتہ کئی دنوں سے میں عجب کشمکش میں مُبتلا تھا، پاکستان کی ایٹمی ہتھیاروں پر کچھ لکھنا چاہتا تھا لیکن دل اور دماغ یہ کہہ کر ساتھ دینے سے انکار کر رہے تھے کہ تو تو بچہ ہے اور ذہن کا کچہ ہے،اس لئے میں بات کو سمجھنے کیلئے ایک اُستاد سے ملا، ایک سیاستدان سے ملا، ایک سائینسدان سے ملا لیکن مطمئن نہ ہو سکا، پھر تاریخ کے اوراق ٹٹولے، ریسرچ کیا، تب بات سمجھ میں آ گئی کہ ایٹم بم ہے کیا چیز۔۔ریسرچ کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ بہت سے ایسے لوگ اور صحافی ہیں جو ایٹم بم کو صرف اور صرف ایک فضول خرچی سمجھتے ہیں، مجھے افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی کہ انہوں نے ہیروشیما اور ناگاساکی سے کچھ نہیں سیکھا، اگر جاپان کے پاس بھی ایٹم بم ہوتا تو مجال ہے کہ امریکہ۔۔۔۔۔میں اُن لوگوں کو یہ بات یاد دلانا نہیں چاہتا کہ 1935 ء میں قائدِاعظم نے جب مسلم لیگ کے الیکشن میں حصہ لیا تو پوری انڈیا میں مسلم لیگ کو ایک سیٹ نہیں ملی اور اسطرح ایک ہزار سال بعد پہلی مرتبہ کانگرس کو صرف چند صوبوں میں حکومت ملی تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا؟ مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کیلئے تحریکیں شروع کیں، اُردو پر پابندی لگائی گئی، مسجدوں پر پابندی لگائی گئی وغیرہ وغیرہ۔۔۔میں انہیں زید

حامد کی یہ بات بھی یاد دلانا نہیں چاہتا کہ اگر پاکستان اپنا نیوکلیئر پروگرام
کر دیں تو ہم اس کے بعد تین سال زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ میں انہیں Compromise
یہ بھی یاد دلانا نہیں چاہتا کہ جب حضور ﷺ کا انتقال ہوا تو گھر میں تین دن سے
کھانے کیلئے کچھ نہیں تھا لیکن گھر کی دیوار کے اوپر تلواریں، نیزے اور اسلحہ اتنا بھرا ہوا
تھا کہ جو ایک مجاہد کے گھر میں ہونا چاہئے۔۔ لیکن میں ایسے کم ظرف لوگوں کو یہ ضرور
یاد دلانا چاہتا ہوں کہ 1991ء میں جب سویت یونین کے ٹکڑے ہوئے تو یوکرین کے
حصے میں جوہری ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ وراثت میں آیا اور یوں وہ ایک آزاد
خودمختار تیسری بڑی ایٹمی طاقت بن گیا لیکن پھر وہی ہوا جسکی تجاویز یہ ٹکے ٹکے کے
روشن خیال دانشور پیش کرتے ہیں کہ " آپ دفاعی معاہدہ کر لیں اور کوئی آپکو کچھ نہیں
کہے گا، پاکستان بس اپنی معیشت پر توجہ دے اور ایٹمی ہتھیار کسی اور کے حوالے کر دے
" یا اپنا جوہری پروگرام بند کر دے
جو لوگ پاکستان کے جوہری اثاثوں کے خلاف تاویلات پیش کرتے ہیں، ایک نظر صرف
یوکرین اور لیبیا کو دیکھ لیں کہ ان کا کیا حال ہوا جب انہوں نے اپنے جوہری اثاثے
مختلف دفاعی معاہدے اور امداد کے غیوص دے دیئے، 1994ء میں یوکرئن نے ایک
میمورنڈم پر دستخط کئے اور آج جب روس نے اُس وقت یوکرئن کے دفاع اور علاقائی سا
لمیت کی ضمانت دی تھی، خود یوکرئن پر چڑھ دوڑا ہے اور اب

یوکرئن کے پارلیمنٹ میں بیٹھے لوگ افسوس اور پچھتاوے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے لیکن ہمارے پاکستان کے نفسیاتی دیسی لنڈے کے انگریز اپنے آقاوں کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کو غیر جانبدار محقق اور ایک ٹویسٹ بن کر ہمارے نوجوان نسل کو گمراہ کرنے میں مصروف ہیں۔۔

دوسری بات یہ کہ اگر ہم ایٹم بم کا ذکر کرتے ہوئے کرنل قذافی کو یاد نہ کریں تو نا انصافی ہوگی، ویسے تو میں قذافی کا ذکر بچپن سے سُنتا آ رہا ہوں کہ وہ تنازعات اور تضادات سے بھرپور زندگی گزارتے تھے لیکن کچھ دن پہلے میری نظروں سے تنویر صاحب کا کالم گُزرا، پڑھ کر میں قذافی سے بہت متاثر ہوا۔۔۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب الطاف عباسی ہالینڈ گئے تو ڈاکٹر قدیر صاحب کا کہنا تھا کہ پاکستان میں ایک سوئی لینے کیلئے مجھے دس مراحل سے گُزرنا پڑتا ہے اور ایٹم بم بنانے کیلئے پیسہ چاہئے، اس لئے بھٹو صاحب سے کہیں یہ پاکستان کے بس کی بات نہیں اور اگر وہ واقعی یہ مہم سر کرنا چاہتے ہیں تو ابتدائی طور پر پہلے سو ملین ڈالر کا بندوبست کریں جو اس عظیم پروجیکٹ کیلئے سیڈ منی ہوگی۔ یہ اُس زمانے میں ایک بڑی رقم تھی جسکا انتظام اُس وقت بہت کٹھن تھا چنانچہ ذوالفقار علی بھٹو نے الطاف عباسی کو کرنل قذافی کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر ہمیں سو ملین ڈالر نہ ملے اور ہم بھارت کے جواب میں ایٹم بم نہ بنا سکے تو پاکستان ، صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا

بھٹو صاحب کی یہ بات بلکل دُرست تھی اور آج بھی دفاعی تجزیہ نگار صاحبان یہی کہتے ہیں کہ اگر پاکستان ایٹم بم نہ بنا دیتا تو آج پاکستان کا نام ونشان تک نہیں ہوتا، تو بات ہو رہی تھی کہ الطاف عباسی، قذافی کے پاس بھٹو صاحب کا پیغام لے کر گیا چنانچہ قذافی نہ صرف اتنی بڑی رقم پر امادہ ہوگئے بلکہ انھوں نے لیبیا کی انقلابی کمان کونسل کے ممبر ڈاکٹر سالم بن عامر کو یہ رقم دیکر الطاف عباسی کے ہمراہ ہالینڈ بھیجا، الطاف عباسی کے بقول ، پاکستان کے ایٹمی پروگرام کیلئے اگر اُس وقت قذافی پیسے نہ دیتا تو پاکستان آج ایٹمی طاقت نہ ہوتا۔۔۔۔۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جتنا رقم ایٹم بم بنانے پر حرچ ہوا اور یہ تعلیم یا صحت کے کسی شعبے پر خرچ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا، میں اُن کو بتاتا چلوں کہ اگر ایٹم بم نہ بنتا تو ہم اب تک زندی بھی نہ ہوتے پھر تعلیم اور صحت کا اچار ڈالنا تھا کیا؟؟؟؟

ان سب باتوں کا اگر آپ اندازہ لگائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیگی کہ قومیں بھوکے تو رہ سکتے ہیں لیکن اپنی دفاع کیلئے اپنی آبرو اور عزت کی حفاظت کیلئے ہتھیاروں پر سمجھوتہ نہیں کرتے کیونکہ بھوکا رہنے سے شائد کچھ نہیں ہوتا لیکن بے عزتی ہونے سے سب کچھ چلا جاتا ہے اور یہ بات

بھی بھولنے کی قابل نہیں کہ ایٹم بم نہ ہونے کی صورت میں ہم تین سال زندہ نہیں رہ سکیں گے۔

جماعت اسلامی، تحریک اسلامی کیا ہے

تحریکِ اسلامی ایک ایسی تحریک ہے جو صرف ملت اور قومیت پر یقین رکھتی ہے، اس تحریک کا آغاز 1929ء میں حسن البنا نے مصر سے اخوان المسلمین کی شکل میں شروع کی تھی،اس تحریک کا منشاء اسلام کے بنیادی عقائد کا احیاء اور ان کا نفاذ تھا۔ مصر میں مقبولیت کے بعد اسکی شاخیں عرب ممالک اور باقی دُنیا میں بھی قائم ہوگئیں، دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر اس کے اراکین کی تعداد بیس لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ یہ ایک منظم اور عالمگیر تحریک ہے جسکی شاخیں کئی ممالک میں پھیل گئی ہیں، مصر میں اخوان المسلمین، تیونس میں حرکتہ النھضہ، فلسطین میں حماس، افغانستان میں حزبِ اسلامی، بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی بنگلہ دیش، بھارت میں جماعت اسلامی ہند، سوڈان میں نیشنل کانگرس پارٹی، ترکی میں سادات پارٹی اور پاکستان میں جماعت اسلامی پاکستان کی شکل میں اپنا تحریک چلا رہی ہے۔

جماعت اسلامی ایک پُرانی نظریاتی اسلامی احیائی تحریک ہے جس کا آغاز بیسویں صدی کے اسلامی مفکر سید ابولاعلی مودودی نے قیام پاکستان سے قبل 26 اگست 1941ء کو لاہور میں کیا تھا۔اُس وقت جماعت اسلامی میں 70افراد اور 75 روپے

کا سرمایہ تھا۔ یہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ دُنیا بھر میں اسلامی احیاء کیلئے پر امن طور پر کوشاں چند عالمی اسلامی تحریکوں میں شمار کی جاتی ہے۔جماعت اسلامی لوگوں کو اپنی پوری زندگی میں اللہ اور محمد ﷺ کی پیروی اختیار کرنے کی دعوت اور مُنافقت اور شرک چھوڑنے کی تلقین کرتی ہے۔یہ وہ واحد سیاسی ومذہبی جماعت ہے جو اپنے اندر مضبوط جمہوری روایات رکھتی ہے۔یہ وہ تحریک ہے جو لوگوں کو صرف اسلام،قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ وتہذیب کی طرف بُلاتی ہے۔

جماعت اسلامی وہ تحریک ہے جس نے مسلمانانِ ہند کو دو قومی نظریہ کی بنیاد فراہم کی تھی، پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے خواب کو تعبیر دینے اور قرارداد مقاصد میں ریاست کو اُصولی طور پر اسلامی قرار دینے کیلئے عوام میں رائے عامہ ہموار کرکے تحریک چلائی اور اس میں کامیابی حاصل کی، یہ وہی جماعت ہے جس نے 1958ء میں آمریت کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ایوب خان کی دور میں ایک ایسا طبقہ سامنے آیا جس کا کہنا تھا کہ اسلام میں حدیث کی کوئی حیثیت نہیں، حتیٰ کہ ایک جج نے حدیث کو سند ماننے سے انکار کر دیا،اس موقع پر بانی جماعت نے اسلام میں حدیث کی بنیادی حیثیت کو شرعی وعقلی دلائل سے ثابت کیا اور دونوں کو اسلامی قانون کا سرچشمہ قرار دیا۔اس کے بعد 1970ء کے انتخابات کی طرف آتا ہوں۔1970ء کے انتخابات میں مجیب الرحمان وغیرہ نے

علیحدگی پسند تحریک کو اس عروج پر پہنچا دیا تھا کہ پی پی نے مغربی پاکستان اور مجیب الرحمان نے صرف مشرقی پاکستان میں اپنے نمائیندے کھڑے کر دیئے تھے، اس وقت جماعت اسلامی نے سالمیت وطن کیلئے مشرقی و مغربی پاکستان میں اپنے نمائیندے کھڑے کر دیئے۔1973ء کے آئین میں اسلامی دفعات شامل کرانے کیلئے جماعت اسلامی نے بھرپور کردار ادا کیا تھا۔یہ وہ جماعت ہے جنھوں نے ہمیشہ مسئلہ کشمیر پر قوم کی رہنمائی کی۔

صرف یہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں جماعت اسلامی لوگوں کی مدد کر رہی ہے، اگر کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کا ذکر کیا جائے تو 'حزب المجاہدین' کا نام سب سے پہلے آ جاتا ہے، اگر علماء اکرام کا ذکر کیا جائے تو' جمعیت اتحاد علماء' جو ہر وقت علماء اکرام کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش میں ہیں، کا نام آ جاتا ہے، اسی طرح اساتذہ میں تنظیم اساتذہ، جو اساتذہ کی حقوق کیلئے کام کر رہا ہے، نوجوانوں میں شباب ملی، جو بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش میں مصروف ہے، طالبعلموں میں اسلامی جمیعت طلبہ، جسکا قیام، قیام پاکستان کے فوراً بعد عمل میں آیا تھا، یہ تنظیم تعلیمی اداروں میں طلبہ میں دین کا کام سرانجام دے رہا ہے اور اس تنظیم نے کئی مقامات پر طلبہ کیلئے مُفت ٹیوشن اور امتحانات کی تیاری کیلئے تجربات کا انتظام بھی طویل عرصے سے شروع کر رکھا ہے،،، بچوں میں بزمِ ساتھی، بزمِ پیغام بچوں کو

اخلاق ، والدین کی اطاعت اور معاشرے کی بُرائیوں سے اگاہ کرتے ہیں، تعلم میں
پاکستان اسلامک میڈیکل ایسو سی ایشن)ڈاکٹروں)PIMA بیھٹک اسکولز، ڈاکٹروں میں
پاکستان انجئینرز فورم)انجنئیروں کی حقوق)PEF کے حقوق کیلیے،، انجنئیروں میں
پاکستان بزنس فورم)تاجروں کی حقوق کیلیے، اکاونٹنٹس میں)PBF کیلیے،،تاجروں میں
پروفیشنل اکاونٹنٹس فورم)، فلاحی کاموں میں الخدمت، آغوش وغیرہ وغیرہ،)PAFO
سب اپنی اپنی جگہ اللہ کی رضا کیلیے کام کر رہے ہیں۔۔۔۔۔

جماعت اسلامی صرف پاکستان میں نہیں بلکہ باقی ممالک میں بھی بے سہارا لوگوں کی خدمت کر رہی ہے، جیسا کہ جہاں کہی بھی قدرتی آفات آجاتی ہیں تو الخدمت والے پیش پیش ہوتے ہیں، الخدمت کی فلاحی کاموں سے تو پاکستان میں سب واقف ہیں اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔اس تنظیم کے پیش نظر کارہائے خیر میں سب سے نمایاں وقتِ آفات میں رضاکارانہ سرگرمیاں ہیں، سونامی زدگان لوگوں سے لیکر فلسطین کی مظلوموں تک اور جاپان سے لیکر برما تک بے سہارااور مظلوم لوگوں کی خدمت کو اپنا فریضہ اول سمجھ کر کیا اور کرتے ہیں۔

ان سب عملی کاموں سے یہ بات روزِروشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ جماعت اسلامی، الخدمت کے فلاحی ادارے حقیقت میں مظلوم اور بے سہارا لوگوں کی خدمت اور مدد میں پیش پیش ہوتے ہیں، سیاست سے بالاتر ہو کر ہمیں صرف اور صرف اللہ

تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کیلئے ان فلاحی اداروں کا ساتھ دینا چاہئے اور ان کے ساتھ ملکر مظلوم اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب میں دوسروں کی خدمت اور مدد کا جذبہ پیدا کرے۔آمین

جماعت اسلامی، تحریک اسلامی کیا ہے

تحریکِ اسلامی ایک ایسی تحریک ہے جو صرف ملت اور قومیت پر یقین رکھتی ہے، اس تحریک کا آغاز 1929ء میں حسن البنا نے مصر سے اخوان المسلمین کی شکل میں شروع کی تھی،اس تحریک کا منشاء اسلام کے بنیادی عقائد کا احیاء اور ان کا نفاذ تھا۔ مصر میں مقبولیت کے بعد اسکی شاخیں عرب ممالک اور باقی دُنیا میں بھی قائم ہو گئیں، دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر اس کے اراکین کی تعداد بیس لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ یہ ایک منظم اور عالمگیر تحریک ہے جسکی شاخیں کئی ممالک میں پھیل گئی ہیں، مصر میں اخوان المسلمین، تیونس میں حرکتہ النھضہ، فلسطین میں حماس، افغانستان میں حزبِ اسلامی، بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی بنگلہ دیش، بھارت میں جماعت اسلامی ہند، سوڈان میں نیشنل کانگرس پارٹی، ترکی میں سادات پارٹی اور پاکستان میں جماعت اسلامی پاکستان کی شکل میں اپنا تحریک چلا رہی ہے۔

جماعت اسلامی ایک پُرانی نظریاتی اسلامی احیائی تحریک ہے جس کا آغاز بیسویں صدی کے اسلامی مفکر سید ابولاعلی مودودی نے قیام پاکستان سے قبل 26 اگست 1941ء کو لاہور میں کیا تھا۔اُس وقت جماعت اسلامی میں 70افراد اور 75 روپے کا سرمایہ تھا۔ یہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ دُنیا بھر میں اسلامی احیاء

کیلئے پر امن طور پر کوشاں چند عالمی اسلامی تحریکوں میں شمار کی جاتی ہے۔ جماعت اسلامی لوگوں کو اپنی پوری زندگی میں اللہ اور محمد ﷺ کی پیروی اختیار کرنے کی دعوت اور مُنافقت اور شرک چھوڑنے کی تلقین کرتی ہے۔ یہ وہ واحد سیاسی ومذہبی جماعت ہے جو اپنے اندر مضبوط جمہوری روایات رکھتی ہے۔ یہ وہ تحریک ہے جو لوگوں کو صرف اسلام، قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ وتہذیب کی طرف بُلاتی ہے۔

جماعت اسلامی وہ تحریک ہے جس نے مسلمانانِ ہند کو دو قومی نظریہ کی بنیاد فراہم کی تھی، پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے خواب کو تعبیر دینے اور قرارداد مقاصد میں ریاست کو اُصولی طور پر اسلامی قرار دینے کیلئے عوام میں رائے عامہ ہموار کرکے تحریک چلائی اور اس میں کامیابی حاصل کی، یہ وہی جماعت ہے جس نے 1958ء میں آمریت کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ ایوب خان کی دور میں ایک ایسا طبقہ سامنے آیا جس کا کہنا تھا کہ اسلام میں حدیث کی کوئی حیثیت نہیں، حتیٰ کہ ایک جج نے حدیث کو سند ماننے سے انکار کر دیا، اس موقع پر بانی جماعت نے اسلام میں حدیث کی بنیادی حیثیت کو شرعی وعقلی دلائل سے ثابت کیا اور دونوں کو اسلامی قانون کا سرچشمہ قرار دیا۔ اس کے بعد 1970ء کے انتخابات کی طرف آتا ہوں۔ 1970ء کے انتخابات میں مجیب الرحمان وغیرہ نے علیحدگی پسند تحریک کو اس عروج پر پہنچا دیا تھا کہ پی پی نے مغربی پاکستان

اور مجیب الرحمان نے صرف مشرقی پاکستان میں اپنے نمائیندے کھڑے کر دیئے تھے، اس وقت جماعت اسلامی نے سالمیت وطن کیلئے مشرقی و مغربی پاکستان میں اپنے نمائیندے کھڑے کر دیئے۔1973ء کے آئین میں اسلامی دفعات شامل کرانے کیلئے جماعت اسلامی نے بھرپور کردار ادا کیا تھا۔یہ وہ جماعت ہے جنھوں نے ہمیشہ مسئلہ کشمیر پر قوم کی رہنمائی کی۔

صرف یہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں جماعت اسلامی لوگوں کی مدد کر رہی ہے،اگر کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کا ذکر کیا جائے تو 'حزب المجاہدین' کا نام سب سے پہلے آ جاتا ہے،اگر علماء اکرام کا ذکر کیا جائے تو' جمعیت اتحاد علماء' جو ہر وقت علماء اکرام کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش میں ہیں، کا نام آ جاتا ہے،اسی طرح اساتذہ میں تنظیم اساتذہ،جو اساتذہ کی حقوق کیلئے کام کر رہا ہے، نوجوانوں میں شباب ملی،جو بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش میں مصروف ہے،طالبلعلموں میں اسلامی جمیعت طلبہ،جسکا قیام ، قیام پاکستان کے فوراً بعد عمل میں آیا تھا،یہ تنظیم تعلیمی اداروں میں طلبہ میں دین کا کام سرانجام دے رہا ہے اور اس تنظیم نے کئی مقامات پر طلبہ کیلئے مُفت ٹیویشن اور امتحانات کی تیاری کیلئے تجربات کا انتظام بھی طویل عرصے سے شروع کر رکھا ہے،،، بچوں میں بزمِ ساتھی،بزمِ پیغام بچوں کو اخلاق ، والدین کی اطاعت اور معاشرے کی بُرائیوں سے اگاہ کرتے ہیں، تعلم میں

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن)ڈاکٹروں)PIMA بیھٹک اسکولز، ڈاکٹروں میں
پاکستان انجینئرز فورم)انجنئیروں کی حقوق)PEF کے حقوق کیلیۓ،، انجنئیروں میں
پاکستان بزنس فورم)تاجروں کی حقوق کیلیۓ، اکاونٹنٹس میں)PBF کیلیۓ،، تاجروں میں
پروفیشنل اکاونٹنٹس فورم)، فلاحی کاموں میں الخدمت، آغوش وغیرہ وغیرہ،)PAFO
سب اپنی اپنی جگہ اللہ کی رضا کیلیۓ کام کر رہے ہیں۔۔۔۔۔

جماعت اسلامی صرف پاکستان میں نہیں بلکہ باقی ممالک میں بھی بے سہارا لوگوں کی خدمت کر رہی ہے، جیسا کہ جہاں کہی بھی قدرتی آفات آجاتی ہیں تو الخدمت والے پیش پیش ہوتے ہیں، الخدمت کی فلاحی کاموں سے تو پاکستان میں سب واقف ہیں اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس تنظیم کے پیش نظر کارہائے خیر میں سب سے نمایاں وقتِ آفات میں رضاکارانہ سرگرمیاں ہیں، سونامی زدگان لوگوں سے لیکر فلسطین کی مظلوموں تک اور جاپان سے لیکر برما تک بے سہارا اور مظلوم لوگوں کی خدمت کو اپنا فریضہ اول سمجھ کر کیا اور کرتے ہیں۔

ان سب عملی کاموں سے یہ بات روزِروشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ جماعت اسلامی، الخدمت کے فلاحی ادارے حقیقت میں مظلوم اور بے سہارا لوگوں کی خدمت اور مدد میں پیش پیش ہوتے ہیں، سیاست سے بالاتر ہو کر ہمیں صرف اور صرف اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا کیلیۓ ان فلاحی اداروں کا ساتھ دینا چاہیۓ اور

ان کے ساتھ ملکر مظلوم اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں دوسروں کی خدمت اور مدد کا جذبہ پیدا کرے۔آمین

عافیہ صدیقی اور زندہ قوم

نومبر 2013 کی بات ہے جب پاکستان تحریک انصاف نے نیٹو کے سپلائی لائن بند کرنے کا اعلان کیا، وہ اعلان قوم کی جذبات کی ترجمانی تھا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے پارٹی بازی اور صرف پاکستان تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کی سیاست چمکانے کا نام دیکر عوام کو منتشر کر دیا، میں سمجھا تھا کہ پاکستانی قوم جاگ گیا لیکن ایسا نہیں ہوا، میرا خیال تھا کہ تمام سیاسی جماعتیں بھی عمران خان کا ساتھ دینگے، پھر یوں ہوا کہ نیٹو سپلائی لائن بند کرنے پر سیاسی جماعتیں متحد نہیں تھیں اور نہ ہی قوم متفق تھا اور ہمیشہ کی طرح قوم نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم زندہ قوم ہے۔۔۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ یہاں زندہ قوم میں نے کیوں استعمال کیا اور آگے بھی ٹھیک اسی طرح استعمال کرونگا۔۔۔اُس وقت زندہ قوم پر ایک پروگرام میں بات بھی ہوئی تھی جو میں آگے بیان کرونگا۔

یہ میری لئے حیرت کی بات اس لئے نہیں تھی کہ جب ہم اپنی مظلوم بہن ڈاکٹر عافیہ صدیقی کیلیے، (جو ہم نے اور پاکستانی سیاستدانان صاحبان نے انہیں ’’ قوم کی بیٹی‘‘ کا خطاب دیا) ایک نہیں ہوئے تو پھر نیٹو سپلائی تو بہت چھوٹی سی بات ہے، پھر ایسے قوم پر وہ ڈرون حملے نہیں کرینگے تو اور کیا کرینگے،

ریمنڈیوس کو دیکھئے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ مارتا رہے گا اور ہم مار کھاتے رہینگے، پھر باقی دنیا ایسی قوم کو جُوتی نہ مارے تو کیا پھول پیش کرے؟؟؟ خیر آمدم بر سرِ مطلب۔۔۔۔۔۔۔۔

قائم ہے، 4 ستمبر Base جاپان میں ایک جزیرہ ہے اوکی ناوا، جس پر امریکی فوج کا کی تین امریکی فوجیوں نے ایک وین کرائے پر لی، رات کے Base ء کو اس 1995 وقت سڑک سے گزرتی ہوئی بارہ سال کی لڑکی کو اغواء کیا، اُسکی آنکھوں پر پٹی Rape کیا۔اس Rape باندھی، اُسکی ہاتھ باندھے، اُس کی منہ پر ٹیپ لگائی اور اُس سے کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی اور اگلے دن پورے جاپان میں مظاہرے شروع ہوگئے، قوم بارہ سال کی بچی کیساتھ کھڑی ہو گئی، جاپانیوں نے چندہ جمع کیا اور اس چندے سے کے اشتہارات دیں دیئے۔ No Rape, No Base امریکی اخبارات میں

امریکہ اور جاپان کے درمیان 1960ء میں معاہدہ ہوا تھا کہ جاپان کسی بھی جرم میں امریکہ کے کسی بھی فوجی اہلکار کو گرفتار نہیں کریگا، کسی بھی جرم کے نتیجے میں جاپان، امریکہ کو تحریری شکایت کرے گا اور امریکہ اپنی فوجی اہلکاروں کو امریکہ لے جا کر اُن کی کے بعد جاپانی قوم نے یہ Rape خلاف کاروائی کرے گا، لیکن بارہ سال کی بچی کے معاہدہ ماننے سے انکار کر دیا اور

امریکی فوجیوں کو گرفتار کرنے اور جاپانی قانون کیمطابق سزا دینے کا مطالبہ کر دیا، امریکہ نے مزاحمت کی لیکن انٹی امریکی احتجاج اتنے خوفناک تھے کہ امریکہ کو پسپائی اختیار کرنا پڑ گئی۔

امریکی صدر اور جاپانی وزیراعظم کے درمیان ملاقات ہوئی، معاہدے کے شرائط میں تبدیلی کی گئی اور امریکہ نے جرم کے صرف 25 دن بعد یعنی 29 ستمبر کو تینوں مجرم جاپانی حکومت کے حوالے کر دیا، جاپان نے مجرموں کے خلاف مقدمہ چلایا اور تینوں مجرموں کو سات سات سال سزا دی، ملزموں نے جاپان میں قید بُگتی اور 2003 میں واپس امریکہ گئے، امریکہ نے اسی سال اُن کا کورٹ مارشل کیا۔ اس واقعہ کے تک محدود ہو کر رہ گئے، جاپان نے اُنکی آزادانہ نقل و عمل پر Base بعد امریکی صرف پابندی لگا دی۔

پر اسطرح اکھٹے Rape زندہ قومیں اسطرح رد عمل کرتی ہیں، یہ ایک بارہ سال بچی کے ہوجاتے ہیں کہ دنیا کی واحد سُپر پاور کو معاہدہ تبدیل کرنے، مجرموں کو حوالے کرنے اور پوری پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

آج عافیہ صدیقی کی امریکہ حراست میں 4505 دن مکمل ہوچکے ہیں لیکن ہم نے قسم کھایا ہے کہ ہم خواب خرگوش سے بیدار نہیں ہونگے، اُن پر کئے جانے اولے مظالم کی داستانیں سن سن کر آنسو بہائینگے لیکن کبھی حکومت سے اپیل نہیں

کرینگے، کبھی نواز شریف صاحب کو وہ وعدہ یاد نہیں دلائیگے جو الیکشن سے پہلے انہوں نے عافیہ صدیقی کی ماں سے کیا تھا، اُنہوں نے حکومت میں آ کر نوے روز کے اندر عافیہ کی بازیابی کا وعدہ کیا تھا، اسطرح اور بھی کئی سیاستدانان صاحبان نے الیکشن سے پہلے وعدے کئے تھے لیکن وعدے تو ٹوٹنے کیلئے ہی کئے جاتے ہیں، پر عمل پیرا ہیں۔اگر جاپانی قوم ایک بارہ سال کی بچی کیلئے ایک ہو سکتے ہیں، امریکہ کو پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہیں کر سکتے ؟جب جاپانی قوم ایک عام لڑکی کیلئے اکھٹے ہو سکتے ہیں تو ہم ڈاکٹر عافیہ صدیقی، جو ایک ڈاکٹر اور ملک کا سرمایہ ہے کیلئے ایک کیوں نہیں ہو سکتے ؟؟؟کیا ہم زندہ قوم نہیں ہے؟ کیا عافیہ قوم کی بیٹی نہیں ہے ؟ کیا عافیہ پاکستانی شہری نہیں ہے؟

آ گر ہم آج بھی خواب خرگوش سے بیدار نہیں ہوئے تو ہم یونہی ذلیل وخوار ہوتے رہینگے اور یونہی مار کھاتے رہینگے، ہمیں آج ہی خواب خرگوش سے بیدار ہونا ہوگا، ہمیں آج ہی زندہ قوم کا ثبوت دینا ہوگا مگر افسوس کیساتھ کہنا پڑھتا ہے کہ سیلاب میں کھویا ہوا سامان، بازار سے خریدنے والا قوم، ڈینگی مچھروں سے مرنے والا قوم، پارٹی بازی میں ایک دوسرے کی عزت لوٹنے والا قوم، سوشل میڈیا پر ہر وقت اپنے حکمرانوں کو گالیاں دینے والا قوم، صرف رمضان میں عبادت رنے والا قوم، قدرتی آفات پر سیاست کرنے اور سوچ اور عمل میں تضاد

رکھنے ولا قوم، اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے لوڈ شیڈنگ برداشت کرنے والا قوم زندہ قوم نہیں تو اور کیا ہے؟؟؟

عافیہ صدیقی کی طرف سے زندہ قوم کو جشن آزادی مبارک۔۔

پھر انقلاب ضرور آئے گا

الیکشن 2013 کے بعد کئی سیاسی جماعتوں نے الیکشن کو دھاندلی زدہ قرار دیا، خان صاحب نے بھی میاں نواز شریف کو مبارکباد دینے کیساتھ ساتھ چار حلقے کھولنے کا مطالبہ کیااور آخر تک ڈٹے رہے،خان صاحب انہی دنوں سے تبدیلی کا نعرہ لگاتے لگاتے نہیں تکتا، ''انقلاب آئے گا'' ان کا پسندیدہ نعرہ بن چکا ہے، ملکی نظام کو تبدیل کرنے کیلئے انہوں نے کئی جلسے بھی کئے ، دھرنہ بھی دیااور حکومت سے کچھ مطالبات بھی کئے جو ابھی تک ایک مطالبہ بھی پورا نہیں ہوا' جلسے کرنا غیر قانونی کام نہیں اور نہ ہی مطالبات غلط تھے لیکن دھرنہ دینا اور پارلیمنٹ سے استعفے لینا شائد انکی سب سے بڑی غلطی تھی 'میں خان صاحب سے مخالفت نہیں رکھتا لیکن مجھے انکی طریقہِ کار سے اختلاف ضرور ہے'اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ تبدیلی اپنے آپ سے شروع ہوجاتی ہے' تبدیلی کیلئے ہر انسان کو اپنا اخلاق اور کردار بدلنا ہوگا' وہ ایسی قوم کیلئے ایسے ملک میں تبدیلی لانا چاہتا ہے جس ملک میں واٹر کولر پر رکھے گلاس کو زنجیر سے باندھنا پڑے اور لوگوں کو مسجدوں میں اپنی آخرت سے زیادہ اپنے جوتوں کی فکر ہو وہاں صدر یا وزیر اعظم کی تبدیلی سے کیا فرق پڑتا ہے؟شائد وہ اکبر بادشاہ کی طرح سوچتا ہے کہ قوم ایماندار ہے۔

جلال الدین اکبر 1542ء میں عمر کوٹ کے مقام پر پیدا ہوا' باپ کی وفات کے وقت اسکی عمر چودہ برس تھی' اس نے بادشاہت میں کئی علاقے فتح کئے' اسکی سلطنت بنگال سے افغانستان تک اور کشمیر سے دکن تک پھیل گئی تھی' اُن کا خیال تھا کہ ایک اقلیت کسی اکثریت پر اس کی مرضی کے بغیر زیادہ عرصے تک حکومت نہیں کر سکتی' انہیں فخر تھا کہ میرے شہری بڑے ایماندار ہیں' بیریل نے کہا کہ ہم اس بات کو آزما لیتے ہیں' بادشاہ کے حکم پر حکام نے شہر میں ایک جگہ پر ایک بڑا ٹینک رکھا اور اعلان کر دیا کہ ہر شہری رات کے اندھیرے میں اس ٹینک میں ایک ایک جگ دودھ ڈالے گا' اس ٹینک کے نزدیک یا دور کہیں کسی اہلکار کو متعین نہ کیا گیا' رات کے اندھیرے میں شہری آتے رہے اور بھرے ہوئے جگ ٹینک میں انڈیلتے رہے' سب شہریوں نے رات بھر بادشاہ ' کے حکم پر عمل کیا' صبح جب پتہ چلا تو سارا ٹینک پانی سے بھرا ہوا تھا

تقریبا 13 سال یا اس سے تھوڑا آگے پیچھے میں ایک کالم پڑھ رہا تھا' کالم نگار کا نام یاد تو نہیں البتہ اس نے ایک چھوٹی سی کہانی بیان کی تھی' ایک بوڑھا مر رہا تھا' اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' وہ اس بات پر نہیں رو رہا تھا کہ وہ مر رہا ہے نہ اس نے کبھی کوئی غلط کام کیا تھا' انہوں نے اپنی ساری زندگی نظام کو تبدیل کرنے کیلئے وقف کی تھی' مرنے کیوقت وہ رشتہ

داروں سے کہہ رہا تھا کہ آج مجھے اندازہ ہوا' میں نے ہمیشہ نظام کو تبدیل کرنے کی کوشش کی اور میں کامیاب اس لئے نہیں ہوا کہ میرا طریقہ غلط تھا' مجھے چاہئے تھا کہ سب سے پہلے میں اپنے آپکو تبدیل کر دیتا' پھر اپنے گھر والوں کو' پھر ارد گرد لوگوں کو' تو اسطرح نظام خود بخود تبدیل ہو جاتا' انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ ہم صرف دوسروں کو تبدیل دیکھنا چاہتے ہیں نہ کہ اپنے آپکو۔خان صاحب بھی ٹھیک اسی طرح کر رہا ہے' وہ نظام کی تبدیلی چاہتا ہے اور وہ غلط بھی نہیں ہے' اس نظام کو تبدیل کرنا چاہئے مگر اس کیلئے پہلے قوم کو تبدیل کرنا ہوگا' اگر قوم اکبر کی قوم کیطرح ہو تو تبدیلی لانا نا ممکن ہے' اور بوڑھے آدمی کی کہانی سے مجھے خان صاحب کیلئے بھی ڈر لگتا ہے' سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں۔۔۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بھی اسی قوم کا حصہ ہوں اور میں بھی مختلف نہیں ہوں' میں بھی ایک ایسی قوم کا حصہ ہوں جو ایمان میں مُنافقت' رشتوں میں مادیت' دودھ میں پانی' شہد میں شیرہ' مرچ میں سُرخ اینٹیں' دیسی گھی میں کیمیکل' ہوٹلوں میں مُردار گوشت' دوستی میں خود غرضی' امتحانات میں نقل' نوکری میں رشوت اور سفارش' ناپ تول میں کمی' بجلی کی بل میں ہیرا پھیری' ٹیکس کی ادائیگی میں چوری' بات بات میں جھوٹ اور عبادت میں ریاکاری کرتے ہیں اور پھر بھی کہتے ہیں کہ حکمران ٹھیک نہیں!!!!!

اب اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ملک اور معاشرے کی اصلاح جلسوں' لانگ مارچ اور دھرنوں سے نہیں بلکہ اپنی ذات کی شروعات سے کرنی چاہئے' اگر ہم میں سے ہر کوئی یہ عہد کریں کہ میں لڑائی جھگڑا ختم کرنے میں پہل کروں گا' نہ رشوت لوں گا اور نہ ہی رشوت دونگا' صفائی کا خوب خیال رکھوں گا' ضروت مند اور بے سہارا لوگوں کی مدد کروں گا' ٹریفک قوانین اور ڈرائیونگ کے اصول کی پابندی کروں گا' قوم پرستی نہیں کروں گا' دھوکہ دہی اور فریب نہیں کروں گا' ملکی قوانین کی پاسداری کروں گا اور اللہ کے رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقوں پر اپنی زندگی بسر کروں گا' اگر ہم یہ سب کچھ کرینگے تو پھر تبدیلی ضرور آئیگی' انقلاب ضرور آئے گا۔ انشاءاللہ

شرمین عبید، مصطفیٰ کمال، محمد عامر اور ہم

کہتے ہیں کہ صبح کا بھولا اگر رات کو گھر واپس آئے تو اسے بُھولا نہیں کہتے لیکن یہ بھی کہنے کا مطلب یہ ہے ہم کبھی (Once a thief is Always a thief) غلط نہیں کہ کھبار تصویر کا ایک رُخ دیکھتے ہیں اور دوسرا روح دیکھنا ہی نہیں چاہتیہ' اسی وجہ سے ہماری قوم بہک جاتی ہیں اور اپنا کاندیکھنے بجائے کُتے کی پیچھے دوڑنا شروع کر دیتی ہیں' گزشتہ کئی دنوں سے مصطفیٰ کمال صاحب کی ملک واپسی اور نئی پارٹی بنانے کی خبریں گردش کر رہی تھیں' مصطفیٰ کمال کراچی کے سابق ناظم اور تعلق ایم کیو ایم سے تھا' اسی سال انہوں نے ایم کیو ایم چھوڑ دیا اور ایک الگ جماعت بنانے کا اعلان کیا' سیاسی جماعت کا نام رکھنے کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم کراچی میں کوئی سیاسی قوت یا کسی اقتدار چھیننے نہیں بلکہ پاکستان اور حصوصاً کراچی کی خدمت کرنے آئے ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ موصوف یہ بھول گیا کہ ملک اور کراچی کی خدمت پارٹی بنانے کی بغیر بھی کیا جا سکتا ہے لیکن بلّی خُدا کیلئے چوہے کو تھوڑی نہ مارتا ہے' انہوں نے عوام کو راغب کرنے کیلئے طرح طرح کے سیاسی حربے استعمال کرنا شروع کئے اور انہیں کافی حد تک کامیابی بھی ملی' نئی پارٹی بنانے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ موصوف سوچتا ہے کہ ایم کیو ایم کو چھوڑنے سے اسکی ساری کیسیں بند ہو سکتی ہیں موصوف آج کل'

لوگوں کی نظروں میں ہیرو بنتا جا رہا ہے اور یہ ہماری لئے کوئی نئی بات نہیں کیونکہ جب ہماری قوم کی نظروں میں فیصل رضا عابدی (جسکی ماضی سے سب واقف ہیں) ایک تقریر کیوجہ سے ہیرو بن سکتا ہے تو کمال صاحب کیوں نہیں بن سکتا ہے؟

اب شرمین عبید کی طرف آتا ہوں' شرمین عبید چنائے 1978ء کو کراچی میں پیدا ہوئی' انہوں نے اپنی پہلی فلم "Saving Face" کی وجہ سے مقبولیت حاصل کی' اس فلم کیلئے انہوں نے 2012ء میں آسکر ایوارڈ جیتا تھا' پھر اسکی دوسری فلم "A girl in the river" جو کافی مشہور ہوا اور انہیں اس فلم کیلئے بھی آسکر ایوارڈ دیا گیا' انہوں نے اس فلم میں غیرت کے نام پر قتل کا مسئلہ اُجاگر کیا ہے' میں سوچ رہا تھا کہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے کہ ایک پاکستانی عورت نے دو مرتبہ آسکر ایوارڈ جیتا اور پاکستان کے صدر اور وزیر اعظم صاحب نے بھی انہیں دوسری مرتبہ آسکر ایوارڈ جیتنے پر مبارکباد دی' حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ کیوں کبھی کسی نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور جنرل راحیل شریف جو کہ پوری دُنیا میں چرچا رکھنے والا بہادر جرنیل ہے کو نہیں دیا' پھر مجھے فلم دیکھنے کی آرزو ہو گئی اور فلم دیکھنے کیبعد مجھے جتنا غصہ آیا' لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں' اور غصہ کیوں نہ آتا' انہوں نے فلم میں جسطرح ملک کی عزت کا جنازہ نکالا ہے شائد کوئی نکال سکے' لیکن پاکستانی میڈیا نے

آنکھوں پر پٹی لگا کر شرمین صاحبہ کو آسمان تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی،افسوس کی بات یہ ہے کہ عوام کیساتھ ساتھ پاکستانی صدر اور وزیر اعظم
صاحب نے بھی فلم کو سراہا۔
اب کرکٹ کی طرف آتا ہوں،جب سلمان بٹ، محمد عامر اور محمد آصف نے ملک کیساتھ
غداری کی تو ہماری قوم نے انہیں بُہت گالیاں دی تھی،کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ کامران
اکمل بھی اس غداری میں ملوث تھا لیکن کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ
رشوت لیتے ہوئے پکڑے گئے ہو
!!!!!!رشوت دیکر چوٹ جا
اب عمر اکمل، احمد شہزاد اور شعیب ملک کی ملک سے غداری کی خبریں گردش میں ہیں
اور انہیں بھی قوم کی طرف سے گالیاں مل رہی ہیں لیکن بہت جلد لوگ ان کی غداری
کو بھی بھول جائینگے کیونکہ جب ہم نے آج کل ایک غدار محمد عامر کو اپنا ہیرو بنایا ہے تو
اس کی کیا گارنٹی ہے کہ کل ہم پھر سے ان تینوں کو اپنا ہیرو نہیں بنائینگے؟؟ میرا خیال
ہے کہ سلمان بٹ جیسا غدار بہت جلد ٹیم میں آکر کپتان بن جائے گا اور ہم کچھ نہیں کر
پائینگے بلکہ انہیں سپورٹ بھی کرینگے اور اپنا ہیرو بھی بنائینگے کیونکہ ہم قوم نہیں ہجوم
ہیں،اب اگر محمد عامر، مصطفیٰ کمال، فیصل رضا عابدی اور شرمین عُبید جیسے لوگ ہماری
قوم

کی ہیرو ہیں تو سمجھئے کہ ہمارا مستقبل بہت روشن ہے۔

شعیب اختر کی لگن اور محنت

وہ پیدائشی ابنارمل تھا۔اُس کو دیکھ دیکھ کر اُس کے والدین اُداس ہو جاتے ' عام بچوں کی طرح زندگی کا پہلا قدم اُس نے ایک سال کے بجائے پانچویں سال میں رکھا' والدین اُس بچے کی نگہداشت خصوصی بچوں کی طرح کیا کرتے تھے'اُس بچے کا پیر بلکُل سیدھا تھا' جس کے باعث وہ تیزدوڑنے کے قابل نہ تھا'اُس کا بازو بھی نارمل بچوں سے مُختلف تھا' اُس میں کوئی بات تھی تو اُس کی لگن تھی'وہ محنت کا عادی بن رہا تھا'سائیکل چلانے کا شوق پیدا ہوا تو والدین نے تنگدستی کے باوجود اُس کو سائیکل خرید کر دی اور کچھ ہی دنوں میں وہ اپنی عمر سے بڑی عمر کے بچوں سے سائیکل ریس میں آگے بڑھنے لگا' یہ جنون، یہ محنت اور یہ لگن اُس کو کچھ کر دکھانے پر اُکسا رہی تھی اور ایک دن وہ کھیل کے میدان میں اُترا' تاریخ میں ایک مثال بھی موجود نہیں کہ کوئی محنت کرے اور منزل نہ پاسکے'مسلسل محنت اور لگن اُس بچے کو کرکٹ کی تاریخ کا سب سے تیز رفتار اور باولر بناتا ہے'دنیائے کرکٹ اُس کو شعیب اَختر کے نام سے پہچانتی ہے ۔

کہتے ہیں کہ ڈینس لیلیٰ اور جیک تھامسن کے دہشت سے تو سارا زمانہ ہی واقف

تھا لیکن جب ٹرائب لائیڈ نے لائیکل ہولڈن، جوئل گارنر اور کالنگ کرافٹ اور اینڈی روبٹس پر مشتمل خطرناک باولنگ اٹیک میدان میں اُتارا تو شائقینِ کرکٹ لیلیٰ اور تھامسن کو بھول گئے' 90ء کی دہائی میں پاکستانی ٹو ڈبلیوز (وسیم اور وقار) کی خطرناک یارکلز تو بلہ بازوں کیلئے وبالِ جان ثابت ہونے لگی' لیکن ان سب کے بعد کرکٹ کے اُفق پر ایک ایسا باولر اُبھرا جس نے رفتار کی دوڑ میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا اور جلد ہی اسکی برق رفتار یارکلز اور باونسرز کے سامنے بڑے بڑے بلہ باز ڈگمگاتے نظر آئے' برائن لارا، رکی پونٹنگ، جیک کیلس اور میتھیو ہیڈن جیسے ماہر بلے باز بھی راولپنڈی ایکسپریس کے سامنے بے بسی کی تصویر بنے دکھائی دینے لگے اور لٹل ماسٹر سچن ٹنڈولکر تو بار بار شعیب اختر کے تیز رفتار گیندوں کا نشانہ بنے' ایک زمانے میں فاسٹ باولرز بغیر ہیلمٹ کے انے والے بلہ بازوں کو نشانہ بنا دیتے لیکن شعیب نے تو ہیلمٹ پہنتے ہوئے بلہ بازوں کے چھکے بھی سُرخ کر دیئے' شعیب اختر اپنے کیریر میں تنازعات کا بھی شکار رہے اور انہیں فٹنس مسائل بھی درپیش رہے تاہم ایسا شائد ہی کبھی ہوا کہ اُن پر میچ فکسنگ کا الزام لگا ہو' اس حوالے سے شعیب اختر کا ریکارڈ بالکل صاف ہے' شعیب اختر بلہ بازوں کیلئے ایک ڈراونا خواب تھا اور ان کی ریٹائرمنٹ کی خبر سُن کر یقینا بہت سے بلہ بازوں نے سکون کا سانس لئے۔ ایک ایسا بچہ جسکی زندگی اور جس کے مُستقبل سے اُس کے والدین مایوس ہوں' وہ اپنی محنت سے دُنیا میں اپنی پہچان بنانے میں کامیاب ہوتا ہے۔

محنت چار الفاظ پر مُشتمل ، دُنیا کی ہر کامیابی کی چابی ہے' آپ اس چابی سے دُنیا کا کوئی بھی تالہ کھول سکتے ہیں' ابنارمل بچہ کرکٹ کا سُپر سٹار بن سکتا ہے' موچی کا بچہ ، جوتے بنانے والے فیکٹری کا مالک بن سکتا ہے' لکڑ ہارنے کا بچہ ،مُلک کا صدر بن سکتا ہے' میں اور آپ اس مُلک کی تقدیر بدل سکتے ہیں' امریکہ کی پالیسی سے دُنیا کو اختلاف ہو سکتا ہے مگر جو امریکہ جاتا ہے وہ تعریف کرنے پر مجبور ہوتا ہے' امریکہ نے جنگ آزادی اٹھارویں صدی میں لڑی اور دُنیا کا سُپر پاور اکسویں صدی میں بنا' اس کے درمیان کے دو سو سال محنت سے لبریز ہیں' مرد بیمار سے پہچانے جانے والا ملک چین کسی بھی مُلک کی عوام کیلئے رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے' وقت کی رفتار کو روکا نہیں جا سکتا، وقت نے گُزرنا ہے، چاہے آپ سو کر وقت گُزاریں، چاہے محنت کرکے اس کو کیش کروایں' محنت کے لیے میدان کا تعین آپ نے خود کرنا ہے' وہ میدان کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، آپ کی محنت اس میدان کو وسیع کر دے گی' آپ کی محنت کا ثمر مہینوں میں بھی مل سکتا ہے اور عشروں میں بھی' عین ممکن ہے آپ وہاں ہمت ہار جائیں جب منزل آپ سے ایک قدم کے فاصلے پر موجود ہو' جہد مسلسل کا جنوں ،کامیابی کو آپ کی گھر کی باندی بنا دے گا۔ یہ جنوں اور محنت آپ کو اقبالؒ کے شاہین کی مانند آسمانوں کی وسعتوں تک پہنچا دے گا۔

مملکت پاکستان آزمائیشوں کے دور سے گُزر رہا ہے' ہمارے پاس دو راستے ہیں، ہم مُلک کو اسی حالت میں رہنے دیں، مُختلف تجزیئے کر کے دل کو تسلی دیں یا ہم مُلک کی بدلنے کا تہیہ کر لیں' عین ممکن ہے ہم میں مُستقبل کے عمر بن عبدالعزیز کی صلاحیتوں والے افراد موجود ہوں جو مُلک کی تقدیر بدل کر رکھ دیں، نیلسن منڈیلا اور میلکم ایکس ہو، جنہوں نے تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ کیا یہ افراد بغیر محنت اور جنوں کے اس مقام تک پہنچے ہیں ؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا، یاد رکھیے ان سب کی زندگی جہد مُسلسل سے لبریز تھی' جنہوں نے دوسروں کی آرام کی خاطر اپنے آرام کو قُربان کیا' زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے کے لئے فیصلے لمحوں میں کئے جاتے ہیں' آپ کے آج کے لمحوں کا فیصلہ، آپ کی جہد مُسلسل کائنتظر کائنات کی وسعتیں ہیں' آپ کی کامیابی میں آپ کے وطن کی کامیابی اور ترقی پوشیدہ ہے۔

کشمیر اور پاکستانی میڈیا

محمد ارسلان آیاز فکر حمید گل کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب لوگ جنرل حمید گل مرحوم کی خدمات کا ذکر کرتے ہیں تو مجھے لگتا ہے کہ لوگ انہیں صحیح طور بھی نہیں کرتے کہ اُن کی خدمات کیا تھی' جنرل صاحب ایک سچا پکاExplain پر مسلمان اور نماز کے پابند تھے' اس بات کو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ جہاد کشمیر کو صرف اور صرف جنرل حمید گل مرحوم نے اپنے بل بوتے پر زندہ کیا۔۔۔ کشمیریوں کی بے بسی کو دیکھ کر آج مجھے آیاز ارسلان بھائی کی باتیں یاد آ گئی' خیر آمدم بر سرِ مطلب۔۔۔

کفر والحاد کی تیز و تند آندھیوں میں ایمان کی شمع کو روشن کرنے والے نڈر' بے باک اور بہادر مجاہدین اسلام کو یاد کر کرکے کشمیروں کی حالت زار اور بے بسی پر رونا آجاتا ہے' یہ صرف میری کیفیت نہیں بلکہ ہر باشعور اور جذبہ ایمان سے سرشار ہونے والے مسلمان اور پاکستانی کی کہانی ہے' کشمیر کے معاملے میں پاکستانی الیکٹرانک میڈیا کا کردار بھی قابلِ تعریف نہیں ہے' اس لئے کہ جب نائن الیون کا ڈراما رچایا گیا تو مغربی میڈیا پر صبح سے لیکر شام تک' رات سے لیکر پھر صبح تک اور اسی طرح کئی مہینوں تک دکھایا جارہا تھا اور دہشت گردی کا نام دیکر پہلے ہی دن سے مسلمانوں کو اس واقعہ کا ذمہ دار ٹھرائے جا

رہے تھے' پوری دُنیا کے سامنے مسلمانوں کو ذلیل اور سوا کرنے کی کوشش میں مختلف قسم کی خبریں نشر کر رہی تھی لیکن یہاں پاکستانی الیکٹرانک میڈیا کو تو شائد پتہ ہی نہیں ہے کہ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے' اگر کچھ خبر بھی تو چند دو تین منٹ تک محدود اور فیشن میں رکھنے کی حد تک۔۔۔اور کچھ نہیں' البتہ اس معاملے میں پرنٹ میڈیا کا کردار کچھ سنجیدہ اور قابلِ تعریف ہے' الیکٹرانک میڈیا کے حوالے کل فیس بک پر مجھے ایک پوسٹ پڑھنے کو ملا' پڑھ کر افسوس ہوا اور سوچ کر مایوسی بھی ہوئی کیونکہ اس میں دم تھا' وہ پوسٹ مجھکو کچھ لکھنے پر اُکسا رہا تھا' پوسٹ کچھ اس طرح تھا۔

!آج کا بریکنگ نیوز ! ! ! مرغی نے انڈا دیا ہے

ناظرین ابھی ابھی خبر موصول ہوئی ہے کہ لاہور کے نواحی گاؤں میں ایک مرغی نے انڈا دیا ہے' اطلاع کیمطابق اب سے کچھ دیر پہلے لاہور کے نواحی گاؤں میں ایک مرغی نے انڈا دیا ہے' بونگا نیوز کے نمائیندے موقع پر موجود ہیں ان سے پوچھتے ہیں' جی عارف ! آپکو کیا نظر آ رہا ہے؟ کیا مرغی نے سچ میں انڈا دیا ہے؟ جی شازیہ ہم یہاں موجود ہیں' اب سے کچھ دیر پہلے مرغی نے یہاں انڈا دیا ہے' ہم نے علاقہ کے ایس ایچ او سے رابطہ کیا ہے اور انہوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مرغی نے انڈا دیا ہے' جی ناظرین ہم کوشش کر رہے ہیں کہ مرغی سے رابطہ ہو جائے' عارف یہ بتائے کہ اس معاملے میں آپ کا مرغی کے اہلِ خانہ

سے رابطہ ہوا ہے کیا کہتے ہیں وہ مرغی نے انڈا دیا ہے؟جی ہاں شازیہ اس وقت ہم مرغی کے چچا کے پاس کھڑے ہیں اور ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ مرغی نے انڈا دیا ہے' عارف یہ بتائے اس وقت کیا صورتِ حال ہے مرغی اور انڈا دونوں کیسے ہیں؟جی شازیہ اس وقت تمام کاروبار معمول کیمطابق چل رہا ہے مرغی سے ہمارا رابطہ ممکن نہیں ہو سکا لیکن اطلاعات یہی ہے کہ دونوں ٹھیک ہیں'ہم اپنے ناظرین کو بتاتے چلیں کہ لاہور کے نواحی گاؤں میں ایک مرغی نے انڈا دیا ہے' یہ خبر سب سے پہلے ہم نے آپ تک پہنچائی ہے۔

بالکل ایسا نہیں لیکن پھر بھی پاکستانی الیکٹرانک میڈیا پر کچھ اس طرح کی خبریں چلائی جا رہی ہیں'مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کی ریاستی دہشتگردی اور کرفیو کے 114 دنوں میں تقریبا 187 شہادتوں اور 13 ہزار سے زائد زخمیوں اور معزوروں کے علاوہ کشمیریوں کو بدترین قسم کا ذہنی ونفسیاتی دباؤ دیا ہے' گزشتہ روز بھارتی فوج نے ریاستی دہشتگردی کی تازہ کاروائی میں دو نوجوانوں کو شہید کردیا اور افسوس کی بات یہ ہے کہ پھر جنازے پر شیلنگ بھی کی جس کی وجہ سے 35 افراد زخمی ہوگئے'اگلے دن کشمیریوں نے دُنیا بھر میں یومِ شہداء جموں منایا'شہداء کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے دُنیا کے مختلف شہروں میں جلسے جلوس' ریلیوں اور سیمینارز کا انعقاد کیا گیا جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔

کشمیر میں بدترین انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں اور الیکٹرانک میڈیا کو ''چائے والے'' سے فرصت نہیں ملتی' بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے کشمیریوں کا جینا حرام کر رکھا ہے اور بونگا نیوز کو مرغی اور انڈے کی پڑی ہے' وہاں ان کو ذہنی و نفسیاتی دباؤ کا سامنا ہے اور یہاں ہمیں فیشن شوز دکھائے جا رہے ہیں' وہاں انتقامی جذبہ کشمیریوں کو مسلسل بھارت سے آزادی پر ابھر رہا ہے جبکہ دوسری طرف ہم اس فکر میں ہیں کہ مرغی اور انڈا دونوں ٹھیک ہیں کہ نہیں' وہاں جنازوں پر شیلنگ کیا جا رہا ہے اور یہاں ہم ریٹینگ کے چکر میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں' کیا یہ کشمیریوں کیساتھ زیادتی نہیں ہے؟ کیا ریحام خان کی شادی کی تاریخ کا ذکر کرنا ان بے بس اور لاچار کشمیریوں سے زیادہ اہم ہے؟ کیا پانامہ لیکس کیس کو سپریم کورٹ تک محدود رکھنے اور بار بار دکھانے سے اچھا نہیں ہے کہ میڈیا تھوڑا سا وقت کشمیر کے حالات کو دیں؟ فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے' کیا میں کوئی غلط بات کر رہا ہوں؟ غلط فہمی میں اُلجھا ہوا ہوں یا حقائق کی تحقیق کرنے میں کوتاہی برت رہا ہوں؟؟؟ جی ہاں! آپ لوگ فیصلے کریں کہ میں غلط بات کر رہا ہوں یا نہیں۔۔۔۔۔